نذرِ نانک

مہدی نظمی

Forwarded with Compliments :—
From Department of Culture
Government of India.

نذرِ نانک

नज़रे नानक

نذرِ نانک

مہدی نظمی

महदी नज़मी

ناشر: ہندوستان پبلیکیشنز، غازی آباد، یو۔پی۔
طابع، جو اہر آخیٹ پرنٹرز کوچہ ناہر خاں
قیمت: ۷ روپے

فرید و کبیر کے نام

مہدی نظمی صاحب کی کتاب "نذرِ نانک"
اُردو زبان میں ایک اونچے درجہ کی
گورو نانک صاحب کے جیون پر نظم
ہے۔ اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو
سکھ تواریخ اور عقیدے کے مطابق
نہ ہو۔

سردار ہربنس سنگھ
کنوینر لٹریری سب کمیٹی
گوردوارہ سیس گنج۔
چاندنی چوک دہلی

والدِ مرحوم

مولانا سیّد اولاد حسین عرف للّن صاحب شاعر لکھنوی

والدۂ مرحومہ

جنابِ رضیہ بیگم صاحبہ

کی یاد میں

روزنامہ "پرتاپ" نئی دہلی

بھارت میں ایک نیا کلچر جنم لے رہا ہے اور مہدی نظمی اس نئے کلچر کے بہت بڑے نقیب ہیں۔

۲۴ مئی سنہ ۱۹۶۹ء

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

جناب مہاری نظمی نے اپنی منظوم تصنیف "نذرِ نانک" کا مسودہ مجھے دکھایا، میں نے جہاں جہاں سے بھی اس مسودے کو دیکھا مجھے محسوس ہوا کہ مہاری نظمی صاحب نے ایک خالص دینی و مذہبی موضوع کو فصاحت و بلاغت کا ایسا حسین جامہ پہنایا ہے کہ اگر ہم محض ادبی نقطۂ نظر ہی سے اسے دیکھیں تو بھی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اکثر و بیشتر اشعار میں زبان کی چاشنی اور محاورہ بندی کے ساتھ ساتھ حُسنِ تضاد نے موضوع اور بیانِ موضوع میں وہ لطافت اور فصاحت بکھیری ہے جو کہ بڑے بڑے اساتذہ کے کلام میں دیکھنا نصیب نہیں ہوتی۔ ویسے تو کسی مذہبی پیشوا یا خدا رسیدہ بزرگ کی سوانح عمری یا اس کے حالاتِ زندگی بذاتِ خود ہی اتنے حسین و مقدس موضوعات ہوتے ہیں کہ انہیں ایک سڈول اور خوبصورت پیکر کی طرح کسی چمکیلے یا دیدہ زیب پیراہن کی

ضرورت نہیں ہوتی، لیکن ایسے موضوع کے ساتھ ساتھ اگر بیانِ
موضوع بھی حسین ہی نہیں حسین تر ہو تو سونے پہ سہاگے کا کام
دیتا ہے۔ "نند دِ نانک" بھی ایک مقدس موضوع اور حُسنِ بیان
کا ایک حسین و دلکش سنگم ہے۔ میں مہدی نظمی صاحب کو اس کاوش
پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ انھوں نے جس عظیم
شخصیت کے پیغامِ صلحِ کُل، امن و آشتی اور رواداری کو منظرِ عام
پر لانے کی کوشش کی ہے وہ اُن پر اپنے تمام الطاف و اکرام کی بارش
کرے۔

۲ر اگست ۱۹۶۸
ڈبلو ۵۷ گریٹر کیلاش۔ ۱ نئی دہلی

علّامہ گوپی ناتھ امن لکھنوی

گورو نانک صاحب کی ہستی نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کی ممتاز ہستیوں میں سے ہے انھوں نے عشقِ الٰہی، باہمی محبت، بلند اخلاق اور باطل شکنی کا جو پیغام دیا وہ رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ جناب مہدی نظمی نے بڑی عقیدت کے ساتھ ان کے سوانح حیات کو نظم کیا ہے۔ ایک تو اتنی عظیم ہستی، پھر حضرت جوش ملیح آبادی کے لفظوں میں

"فردوسِ لکھنؤ کی کھنکتی زبان"

نے سونے پر سہاگے کا کام دیا ہے۔ ہمارے ملک میں عام طور پر لوگ اپنے مذہب کے اکابر اور بزرگوں کے تذکرے لکھتے اور نظم کرتے ہیں، لیکن چند ہستیاں ایسی بھی ہیں جنھوں نے ہندو ہوتے ہوئے حضرت حسین[؏]

بھی ملتی ہے۔ چنانچہ دہلی کے جو اخبار ایک زمانے میں کسی بھی وجہ سے فرقہ پرست سمجھے جاتے تھے۔ انھوں نے خود کو ان اخباروں سے وابستہ کیا اور اس حسن کے ساتھ ان اخباروں کی پالیسیوں میں قوم پرستی کو نمایاں کر دیا کہ قوم پرستوں نے داد دی اور ان کی ذہانت، ادارت کے کمال، قلم کی نرمی و شوخی اور طرزِ نگارش کی دلکشی و دلنوازی کو سراہا۔ قوم پرستی کے معاملے میں کسی بھی طاقت سے وہ مفاہمت نہیں کرتے اور اس بے لچک نیشنل کردار کی وجہ سے وہ معاشی مصیبتوں کا شکار بھی ہوتے رہے ہیں۔

صحافت و شاعری نظمی صاحب کی زندگی کے دو عنصر ہیں جس طرح وہ ایک کامیاب صحافی ہیں اسی طرح ایک کامیاب شاعر بھی ہیں۔ ملک کی مکمل منظوم تاریخ بھی انھوں نے "ہندوستان" کے زیرِ عنوان لکھی ہے۔ ان کی دوسری طویل نظم "بھارت درشن" ہے جس میں انھوں نے ہندوستان کی مختلف ریاستوں کا جغرافیہ اور کلچر نظم کیا ہے۔ یہ نظم نہ صرف اُردو زبان میں بلکہ ہندوستان کی تمام زبانوں میں بلکہ دنیا کی تقریباً سب زبانوں کے لٹریچر میں یگانہ و بیش بہا خزانہ ہے۔

"نذرِ وطن" نظمی صاحب کی تیسری طویل نظم ہے جو نیشنلزم اور قومی یکجہتی کی آئینہ دار ہے۔ اس نظم سے بیش بہا ملکی و قومی مقاصد کو بے اندازہ فائدہ ہوگا آج اس طرح کی منظومات کی شدید ضرورت ہے اور نظمی صاحب نے وقت کی یہ ضرورت بہ تمام و کمال پوری کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے جو شعری محاسن اور ادبی کمالات کا ایک حسین مرقع ہے اور یکجہتی و قوم پروری کے مشن کو فائدہ و قوت پہنچانے والی ہے۔ میں اس نظم کی مقبولیت کا یقین رکھتا ہوں اور نظمی صاحب کی قوم پروری و حب الوطنی کو داد دیتا ہوں۔

۱۰ اگست ۱۹۶۸ء — اردو نا ہال۔ اردو بازار جامع مسجد۔ دہلی ۶

کے گن گائے، یا مسلمان ہوتے ہوئے کرشن کی عظمت بیان کی. جناب مہدی نظمی کا شمار انھیں چند ہستیوں میں ہے. انھوں نے ہندوستان کی تاریخ اور جغرافیہ بھی بڑی بلند نظری اور عقیدت کے ساتھ لکھا ہے. آج جب ہم اس ملک میں قومی یک جہتی کی کوشش کر رہے ہیں تو اس کے لئے سیاسی اور قانونی تدبیریں بھی اپنی جگہ درست ہیں، لیکن سب سے مبارک وہ مساعی ہیں جو ان عظیم ہستیوں کا کردار اور مشن سامنے لانے کے لئے کی جائیں جنھیں حضرت عیسیٰؑ نے انجیل مقدس میں زمین کا نمک کہا ہے. گرو نانک صاحب نے نہ صرف اس ملک کے اندر بلکہ اس کے باہر بھی جا کر پریم اور بھگتی کا پرچار کیا اور ہر جگہ یہ کہا کہ انسانی برادری ایک ہے. اس میں تفریق پیدا کرنا غیر مناسب ہی نہیں بلکہ گناہ ہے گرو نانک صاحب کی ان باتوں کو جناب مہدی نظمی نے بڑے دلکش انداز میں پیش کیا ہے مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب قومی یک جہتی اور اخلاق کی بلندی کی تبلیغ میں ایک نادر صحیفہ ثابت ہوگی.

۴۷ - دریا گنج. دہلی ۶.

جناب میر مشتاق احمد

جناب مہدی نظمی کو میں اکتوبر ۱۹۵۴ء سے جانتا ہوں۔ اس زمانے میں وہ روزنامہ نئی دنیا سے نئے نئے وابستہ ہوئے تھے۔ انھوں نے رفیع صاحب مرحوم کی وفات پر نئی دنیا کے ضمیمے میں ایک خصوصی اڈیٹوریل لکھا تھا جس نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔

فرقہ پرستی کی صف کے اندر داخل ہو کر قوم پرستی کی فضا پیدا کرنا ایک مشکل کام ہے۔ جو لوگ فرقہ پرستوں کی صفوں میں گھس کر فرقہ پرستی سے جنگ آزما ہیں انھیں اس جد و جہد کی مشکلات و مصائب کا بخوبی اندازہ ہے لیکن جناب مہدی نظمی نے ان مشکلات کو اپنی زندگی بنایا، زندگی کا مشغلہ بنایا کہ اس سے ان کی طبع مشکل پسند کی تسکین بھی ہوتی ہے اور ان کی قوم پرستی و حب الوطنی کے جذبے کو راحت

گیانی گورمکھ سنگھ مسافر

جناب مہدی نظمی کا نتیجۂ فکر "نذرِ نانک" پہلے سرسری نظر سے پڑھا
مگر اس کے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے دوبارہ غور سے پڑھنے کی ضرورت
محسوس ہوئی۔ میرے خیال میں نذرِ نانک کو جو بھی پڑھے گا وہ اسے
دوبارہ بلکہ سہ بارہ پڑھنے کی ضرورت محسوس کرے گا۔ گورو نانک دیو کا
جیون ہر لحاظ سے ایک گہرا سمندر ہے۔ مہدی نظمی ایک کامیاب غوطہ
زن ہیں جنھوں نے اس سمندر سے سچے موتی نکالنے میں صرف محنت سے
ہی کام نہیں لیا بلکہ اپنے ادبی ہنر کی وجہ سے وہ ہر نقطہ سے اس کی تہہ
تک پہنچے ہیں۔ خواجہ دل محمد اور مولانا سید حبیب کے گورو نانک کی بانی
کے متعلق منظوم نغمے میرے کانوں میں دیر سے گونج رہے ہیں۔ مہدی نظمی
کی اس نئی تصنیف نے ان پرانے نغموں کی خوشگوار یاد کو تازہ کر کے

میری روحانی خوشی میں بڑا مفید اضافہ کیا ہے بشاعرِ فصیح بیان نے سچے موتیوں کی ایک لڑی کو ایسے عالمانہ ڈھنگ سے پرو دیا ہے کہ اس کا ایک ایک منکا بذاتِ خود اپنی چمک سے اس لڑی میں پروئے رہنے کی ضرورت کا احساس کرا رہا ہے۔

عقیدت کے بغیر کوئی ایسی نایاب چیز لکھی نہیں جا سکتی، ادبی لحاظ سے اس کی قدر و قیمت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ کتنا خوبصورت شعر ہے ؎

تھی زمین نالاں فساد و ظلم و ایجاد سے
کانپتا تھا دل فلک کا خاک کی فریاد سے

اور

جھومتے تھے ظلم کے بادل بھری برسات تھی
کانپتا تھا عدل ٹھٹھرن سے کہ ٹھنڈی رات تھی

اسی سلسلے میں ایک اور شعر ہے۔

وہم کے پردے پڑے تھے آدمی کی آنکھ پر
شرک نے ڈالا تھا چھالا آگہی کی آنکھ پر

ادبی معیار کو قائم رکھنے والے ایسے کئی شعروں کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ رموزِ شاعری سے آشنا شاعر نظمی کا من جذبۂ انسانیت سے بھرپور معلوم ہوتا ہے جب وہ گورو نانک جی کی زندگی کے واقعات کی وضاحت

کرنے لگے ہیں۔

تھی خلش کانٹوں میں لیکن پھول میں خوشبو نہ تھی
آدمی کی صورتیں تھیں، آدمی کی خو نہ تھی
آدمی کا دل ملال و رنج سے معمور تھا
زندہ تھا انسان، لیکن زندگی سے دور تھا

یہ کچھ تمہیدی اشعار ہیں جن کی بنیاد پر ساری نظم مبنی ہے۔ مہدی نظمی کا یہ شعر ضرورتِ وقت کے مطابق کتنا مفید ہے اور پھر خاص کر ہمارے دیش کی موجودہ حالت کے مطابق، ہمارا دیش تفرقات کا ایک مجموعہ ہے۔ کمیونلزم، کاسٹزم، پراونشلزم، لینگوازم وغیرہ کتنے ہی ازم ہمارے دیش میں چلتے ہیں۔ ان ازموں کی وجہ سے کئی دفعہ ہمارے دیش میں ایسے واقعات رونما ہو جاتے ہیں جو ہر لحاظ سے دیش کے لئے باعثِ بدنامی ہوتے ہیں، ہمارے رہنما ہمیشہ ہی دیش میں یکجہتی لانے کے لئے تردد کرتے رہتے ہیں مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، کے مصداق حالات سدھرنے نہیں پاتے۔ جڑ محفوظ رکھنے کی بجائے ہم ڈالیوں، پتیوں اور پھولوں کو پانی کے چھینٹے دیتے ہیں، اگر ہم جڑ کا خیال رکھیں اسے رواداری کے پانی سے سینچیں، تو یکجہتی کا باغ خود بخود ہرا بھرا ہو جاتا ہے۔ بنیادی رواداری ہے جس کا اپدیش ہر ایک مذہبی رہنما نے دیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہم اپنے مذہبی رہنماؤں کی ہدایات کو ٹھیک ڈھنگ سے پیش نہیں کرتے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم دیش واسی مذہب کو جھگڑے کی بنا بنائیں۔ لڑائی تو ہو سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی اور بدنام ہو مذہب۔ مذہب کیوں بدنام ہوتا ہے اور مذہب سے لوگ کیوں نفرت

کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں پنجاب کے مشہور شاعر پیارا رام وفا کا ایک شعر یاد آتا ہے:

خدا کے نام پر دست و گریباں ہیں خدا والے
وفا ہے جس قدر ذکرِ خدا خوفِ خدا کم ہے

جناب مہدی نظمی نے نذرِ نانک لکھ کر رواداری کی ایسی مثال قائم کی ہے جو، جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے ملک کی ایک بنیادی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ ملک کی طرف سے یقیناً وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ الفاظ اور خیالات کو عام فہم بنانا بھی اچھے شاعر کی خوبی میں شامل ہے۔ مہدی نظمی نے دقیق مسئلوں کو سادہ زبان میں بیان کیا ہے:

آبِ باد و نار و گل سے زندگی کا رُوپ ہے، ایک ہی مہرِ حقیقت ہو جہاں بھی دھوپ ہے

کتنی سیدھی سادی بات ہے:

آ گیا اپریل چودہ سو انہتر عیسوی، پردۂ ظلمت سے نکلی مسکرا کر روشنی

تاریخ بنانے میں بھی انھوں نے اپنی ادبی صلاحیت کا اظہار کر دیا ہے۔

مہدی نظمی نے دوسرے گروؤں کی زندگی پر بھی نظمیں لکھی ہیں اور اسی رنگ کو قائم رکھا ہے۔ اُن کی یہ تصنیف ہر لحاظ سے قابلِ قدر ہے۔ جہاں میں شاعرِ فطرت کو مبارکباد پیش کرتا ہوں وہاں ہر زبان کے ادیبوں سے درخواست کرتا ہوں کہ رواداری کے مضمون پر اپنے قلم اٹھائیں۔ دیش کو اس کی ضرورت ہے ہی، مگر ایسے ادیبوں کے خیالات سے ساری دنیا فیضیاب ہو سکتی ہے۔

۲۱۔ فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی

۱۰ راگست ۱۹۶۹ء

پروفیسر ہرِیش چندر مچلوالہ

اُردو کے کئی قدیم شاعروں نے پریوں، جنوں، شہزادیوں اور شہزادوں کی طویل عشقیہ کہانیاں ضرور نظم کی ہیں جن میں میر حسن کی مثنوی "سحر البیان" اور پنڈت دیا شنکر نسیم کی مثنوی "گلزارِ نسیم" کو خاص اہمیت حاصل ہے لیکن کسی مستند شخصیت کی سیرت اور سوانح نظم کرنے کی جو کوششیں بھی کی گئیں وہ کامیاب نہیں ہوئیں اور ادب میں اپنا کوئی مقام نہیں بنا پائیں۔ اس اعتبار سے مہدی نظمی کی طویل نظم "نذرِ نانک" منفرد حیثیت رکھتی ہے اور اس بات کے باوجود کہ اس طرح کی نظموں میں پہل کا امتیاز انھیں حاصل نہیں مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ اردو کے کلاسیکل ادب میں نذرِ نانک پہلی نظم ہے جو اپنا مخصوص مقام رکھتی ہے جس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو کسی ادبی تخلیق کو جاوداں بناتی ہیں۔

"نذرِ نانک" ستگورو نانک دیو جی مہاراج کی مکمل منظوم سوانح حیات ہے جس کا ماخذ مستند تاریخی اور سکھ دھرم سے متعلق معروف کتب ہیں۔ اس نظم کی بڑی خوبی یہ ہے کہ شاعر کی عقیدت تاریخ پر یا تاریخ عقیدت پر غالب نہیں۔ شردھا، تاریخ اور تحقیق کا اتنا خوبصورت امتزاج اردو تو کیا دنیا کی دیگر ممتاز زبانوں کے ادب میں بھی مشکل ہی سے مل سکتا ہے۔ نذرِ نانک میں شاعر نے تاریخ نویسی کے جدید اور ترقی پسندانہ اصولوں کی پوری پابندی کی ہے اور اس پابندی کے باوجود شردھا، عقیدت اور ارادت میں کوئی کمی آنے نہیں دی۔ اس اعتبار سے بھی یہ نظم کلاسیکل ادب میں ایک شاہکار ہے۔

اس نظم کی دوسری خوبی یہ ہے کہ کسی بھی مقام پر شاعر کی قدرتِ کلام میں کمی محسوس نہیں ہوتی۔ پوری نظم جو کئی سو اشعار پر مشتمل ہے اپنی روانی، سلاست، اثر آفرینی اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے ایک ڈھال ہے۔ شاعر کی قوتِ بیان کی داد دینی چاہیے کہ نظم جیسے جیسے آگے بڑھتی ہے بلند سے بلند تر ہوتی چلی جاتی ہے اور ذرہ برابر بھی اس میں گراوٹ نہیں آتی۔ "ہندوستان" اور بھارت درشن جیسی دو عظیم اور شاہکار نظموں میں مہدی نظمی کی جو قوتِ بیان ہے وہ نذرِ نانک میں اور زیادہ منجھی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

اختصار اور تسلسل اس نظم کی تیسری خوبی ہے۔ میں نے ایسی کوئی بھی نظم نہیں دیکھی کہ اگر ایک شعر بھی کم کر دیا جائے تو سلسلہ نظم ٹوٹ جائے۔ جوش ملیح آبادی، اسرار جعفری اور دیگر نظم گو شاعروں کی مختصر نظمیں مزید مختصر

1440

کی جاسکتی ہیں، اور ان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، لیکن حیرت ہوتی ہے کہ نذرِ نانک اتنی طویل نظم ہونے کے باوجود کہیں مختصر نہیں کی جاسکتی اور ایک شعر بھی کم نہیں کیا جاسکتا۔

میرے نقطۂ نگاہ سے اس نظم کی جو تھی خوبی مگر سب سے بڑی یہ ہے کہ مذہبی تعلیمات اور فلسفہ بالخصوص وحدت الوجود کا مشکل ترین نظریہ شعر کی لذت و کشش کی بنا پر ایک عام قاری یا سامع کے بھی ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ اور خشک سے خشک عنوان بھی لذت آفریں بن جاتا ہے۔

نظم کی ابتدا پندرھویں صدی عیسوی کے ان حالات سے ہوتی ہے جو شری گورو نانک دیو جی مہاراج کے اوتار لینے سے پہلے ہندوستان میں پائے جاتے تھے۔ اس وقت کے ہندوستان کی تصویر کشی صرف تیس اشعار میں کی گئی ہے اور شاید ملک کے ممتاز مورخ بھی اس سے بہتر اور جامع تصویر کشی نہیں کر سکتے۔ جس فنکارانہ محنت و مہارت سے مہدی نظمی نے یہ تصویر بنائی ہے اس کے چند خطوط ملاحظہ فرمائیے:

جھومتے تھے ظلم کے بادل بھری برسات تھی
کانپتا تھا دل ٹھٹھرن سے کہ ٹھنڈی رات تھی
آدمی کا دل ملال و رنج سے معمور تھا
زندہ تھا انسان لیکن زندگی سے دور تھا
ننگے سر تھا آدمی، تاجِ شرف ٹھوکر میں تھا
دل تھا حق کا گھر، مگر ابلیس حق کے گھر میں تھا

تھی خلش کانٹوں میں، لیکن پھول میں خوشبو نہ تھی
آدمی کی صورتیں تھیں، آدمی کی خو نہ تھی

ولادت، نام، جنم پتری سے متعلق واقعات بیان کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے:

زائچہ کہتا تھا بچہ ایشور کا روپ ہے
جوہرِ مطلق کے سورج کی سنہری دھوپ ہے

مویشی چرانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر کیا خوب کہا ہے:

عالمِ کثرت میں وحدت کی کرن کو دیکھ کر
پنکھڑی میں پھول کی سارے چمن کو دیکھ کر
وہ پکارا تو ہی تو ہے، ماسوا کوئی نہیں
اے خدا کوئی نہیں ہے، اے خدا کوئی نہیں
پھول میں تو، خار میں تو، بحر میں تو، بر میں تو
سم میں تو، تریاق میں تو، مے میں تو، ساغر میں تو
نور میں، ظلمت میں، دن میں، شب میں، مہر و ماہ میں
تیرا ہی جلوہ ہے دنیا بھر کی جلوہ گاہ میں
آب و باد و خاک و گل سے زندگی کا روپ ہے
ایک ہی مہرِ حقیقت ہے جہاں بھی دھوپ ہے

ہردوار میں سورج پر جل چڑھانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اسی تخیل کو پھر دہرایا گیا ہے لیکن کتنے اچھوتے انداز سے۔

انجم و سیارہ و ماہ و آفتاب و کہکشاں
ابر و برق و باد، برگ و گل، زمین و آسماں
بحر و بر، دشت و بیاباں، ریگزار و کوہسار
دھوپ چھاؤں، نور و ظلمت، روز و شب، بیل و نہار
مور و مار و ماہی و حیوان و جان و انس و حور
ساز و آواز و ترنم، نطق و احساس و شعور
یہ زمان و وقت، یہ ظرفِ مکاں، یہ کائنات
یہ اجل کی تیز رَو کے ساتھ امواجِ حیات
ذرہ ہائے خاک میں یہ اجتماعِ نور و نار
کتنے سورج اوس کی اک بوند میں ہیں شعلہ بار
مخفی و ظاہر ہر اک شے روپ ہے بھگوان کا
ہے پرستش صرف واجب کی شرف انسان کا

واقعہ نگاری میں مہدی نظمی کو معراجِ کمال حاصل ہے۔ بھائی لالو کی روٹیوں سے شیرا اور دیوان بھاگو کی پوریوں سے خون نکلنے کا واقعہ نظم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دیوان بھاگو نے ستگورو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

مجھ کو دکھلا دے تو میں بھی مان لوں روشن ضمیر
میرے کھانے میں لہو، چنڈال کے کھانے میں شیر

سُن کے نانک نے کہا، کرتا ہے میرا کیبل
میں کبھی کرتا نہیں دعویٰ زباں سے بے دلیل
میں دِکھاتا ہوں بنامِ عظمتِ ربِّ قدیر
تیرے کھانے میں لہو، چنڈال کے کھانے میں شیر
بے گنہ کے سر کوئی بہتان تھُپ سکتا نہیں
خونِ ناحق کوئی بھی صورت ہو چھُپ سکتا نہیں
بھاگو اور لالو کی لے کر پوریاں اور روٹیاں
بند کر کے انگلیاں بھینچیں جو دونوں مٹھیاں
دیکھنے والوں نے دیکھی صورتِ معجز نگار
دودھ نکلا ایک سے اور دوسری سے خوں کی دھار
پوریوں سے خون جو نکلا تو بھاگو ڈر گیا
چُلّو بھر پانی میں ڈوبا شرم سے مر مر گیا
سامنے نانک کے توبہ کی خدا سے ڈر گیا
ایک بھاگو جی گیا اور ایک بھاگو مر گیا

صوفی شرف شاہ سے ست گورو کی گفتگو ملاحظہ فرمایے:

زیب تن میں نے کیا ہے خرقۂ عشقِ الٰہ
پاؤں میں موزے وفا کے سر پہ ہے سچ کی کلاہ
تکمۂ توحید ہے میری قبائے عشق میں
میں نے ڈھانپا ہے بدن اپنا ردائے خشق میں

طوالت کے ڈر سے میں مزید اشعار پیش نہیں کر رہا، قومی یکجہتی، تہذیبی ہم آہنگی اور وطن کے اتحاد کو بھی شاعر نے پوری نظم میں شعوری طور پر ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ آسام کی بستی کامروپ کی جادوگر رانی سے گفتگو کرتے ہوئے ستگورو نانک کی زبانی کہلوایا گیا ہے :

بولے میرے ظاہر و باطن کا یکساں بھیس ہے
ایک ہے بھارت تو یہ بستی بھی میرا دیس ہے

اسی طرح ایک اور مقام پر مہدی نظمی کہتے ہیں :

تبت و نیفا کی اونچی چوٹیاں، وہ برف زار
ہر نظارہ شاہکار قدرت پروردگار
کب بنائی ہے یہ دھرتی بیر کرنے کے لئے
آدمی کو دی ہیں آنکھیں سیر کرنے کے لئے
اپنی دھرتی پیار کی دھرتی ہے، دیتی ہے پیام
با مسلماں اللہ اللہ، با برہمن رام رام
پٹنہ و کاشی و پوری وادیٔ کشمیر میں
شہر دہلی پرتھوی راجاؤں کی جاگیر میں
اس نے یہ کہہ کر مساوات و اخوت عام کی
نام دو ہیں، ذات واحد ہے رحیم و رام کی

مہدی نظمی نے یہ نظم ستگورو نانک دیو جی مہاراج کی پانچسو سالہ

یادگار کے سلسلے میں کہی ہے جو ہندوستانی مسلمانوں کی جانب سے نذرانۂ عقیدت کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ بہت ہی گراں مایہ اور خوبصورت نذرانہ ہے۔

پگی سوہری۔غازی آباد

ماخوذ از روزنامہ "پرتاپ" نئی دہلی

مورخہ ۱۵ / مئی ۱۹۶۸ء

میری زندگی

میرے مورثِ اعلیٰ میرزا دا ایران سے ہندوستان آئے۔ ضلع رائے بریلی کے قصبہ نصیر آباد میں متمکن ہوئے۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں لکھنؤ بلائے گئے اور مسندِ قضا پر فائز ہوئے۔ سیّد دلدار علی (غفرانمآب) مرحوم نے لکھنؤ میں مسندِ اجتہاد بچھائی اور اس رعایت سے ہمارا گھرانہ "خاندانِ اجتہاد" کہا گیا

میرا سلسلۂ نسب ۳۷ ویں پشت میں امام علی نقی علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے۔

میرے دادا سیّد فرزند حسین صاحب ذا خرد جبلِ ہند کے لقب سے معروف ہیں۔ وہ میر ضامن علی جلالؔ، آرزوؔ، صفیؔ اور عزیزؔ مرحوم کے ہم عصر تھے۔ انھوں نے کئی ہزار غزلیں، کئی سو مراثی اور کئی ہزار نوحے نظم

گئے۔ نوحہ گوئی میں انھیں وہی مرتبہ حاصل ہے جو مرثیہ گوئی میں میر انیس مرحوم کو۔

مولانا سید اولاد حسین صاحب عرف للّن صاحب شاعر مرحوم میرے والد تھے۔ ۱۹۲۱ء میں وہ دربارِ رام پور سے وابستہ ہوئے اور جنت مکان نواب حامد علی خاں مرحوم نے انھیں لسان الواعظین کا خطاب دیا۔ یکم جون ۱۹۴۱ء کو انھوں نے رامپور کی ملازمت وسکونت ترک کر دی اور ہم پھر لکھنؤ آ گئے۔

وفا میں بن کے ذوالقرنین اعظم پھر اپنے بوریے پر آ گئے ہم

والد مرحوم شاعر تھے، ادیب تھے، صحافی تھے، خطیب و واعظ تھے۔ جفر، رمل، ہیئت و نجوم، فلسفہ و منطق، حدیث و فقہ ان کے خصوصی موضوعات تھے۔ بالخصوص تاریخِ عالم، ہندوستان کی تاریخ کا انھوں نے تحقیقی مطالعہ کیا تھا اور قومی تاریخ کے ہر دور پر انھیں کامل عبور حاصل تھا۔

شمس العلماء مولانا سید سبطِ حسن صاحب مرحوم میرے دادا سید فرزند حسین صاحب ذاخر کے بھائی اور میرے دادا تھے۔ عمدۃ العلماء مولانا سید کلبِ حسین صاحب عرف کبن صاحب مرحوم میرے والد کے حقیقی خالہ زاد بھائی اور میرے چچا تھے حسینی شاعر سید ظفر عباس فضل میرے حقیقی چچا ہیں۔ میری والدہ کا نام رضیہ بیگم تھا۔ میرے نانا آغا علی محمد مرحوم مجتہد و عالم تھے اور لکھنؤ کے ممتاز فقہاء اور معروف ذاکرین میں شمار ہوتے تھے۔

۲۳ راپریل ۱۹۲۳ء کو لکھنؤ میں میری ولادت ہوئی۔ ماسٹر ہری شنا

سکسینہ نے مجھے ابتدا سے دسویں درجے تک پڑھایا اور میں نے حامد ہائی اسکول رامپور سے انٹرنس پاس کیا ماسٹر ہر پرشاد صاحب نصاب کے ساتھ مجھے دوسرے علوم کی تعلیم بھی دیتے رہے۔ جب میں آٹھویں درجے میں تھا تو وہ مجھے انگریزی اخبار پڑھاتے تھے اور ہر دن کا اخبار ہی میری کتاب بن جاتا۔ صبح کے وقت وہ مجھے اپنے ساتھ سیر کے لیئے لے جاتے اور راستے میں کسی بھی عنوان پر گفتگو شروع کر دیتے۔ جب ہم سیر سے واپس ہوتے تو پھر میں ماسٹر صاحب کی گفتگو کو دہراتا۔ اس طرح میں مختلف علوم کی تعلیم حاصل کرتا رہا۔

رات کو میں اپنے والدِ مرحوم کے ساتھ بیٹھتا وہ اپنی گفتگو میں کوئی علمی عنوان چھیڑ دیتے۔ ان کی گفتگو ان کے دوستوں کے درمیان ہوتی یا نواب سید رضا علی خاں مرحوم کی محفل میں، مَیں جب ساری گفتگو سن لیتا تو والدِ مرحوم دوسرے دن پوچھتے کہ میں نے کیا سمجھا۔ اس طرح یہ میرا دوسرا مدرسہ تھا۔

پھر میں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں داخلہ لے لیا۔ یہاں جناب ظہیر الدین علوی سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ جو اس زمانے میں عثمانیہ ہوسٹل (ایس ایس ہال) کے وارڈن تھے۔ اُنہی کی ترغیب پر میں نے جامعہ اردو آگرہ کے امتحانات دیئے۔ یہ امتحانات نئے نئے شروع ہوئے تھے۔ ادیب ماہر اور ادیب کامل کے امتحانات میں نے امتیازی نمبروں سے پاس کیئے۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے پہلے میں نے انٹر سائنس کیا۔ پھر بی۔ اے میں ہسٹری، پولیٹیکل سائنس اور فارسی لے لی۔

پروفیسر ہادی حسین مرحوم میرے گارجین تھے۔ اُن کے پاس روزانہ جانا پڑتا۔ مرحوم ازراہِ شفقت جب مجھ سے مخاطب ہوتے تو کوئی نہ کوئی علمی بحث چھیڑ دیتے اور گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں علم کے دریا بہا دیتے۔ اِس طرح میں ان سے بھی مختلف علوم پہ بحث کرنے کا عادی ہوتا گیا اور میری معلومات کا دائرہ بڑھنے لگا۔

پھر میں لاہور گیا اور وائی۔ایم سی۔اے کے پروفیسر جوشا یا نے مجھے پڑھایا۔ اسی زمانے میں جب میرے والد نے رامپور کی ملازمت و سکونت ترک کر دی تو میں لاہور میں اپنا سلسلہ تعلیم جاری نہ رکھ سکا اور مجھے لکھنؤ آنا پڑا۔ یہاں جد و جہد کی وہ زندگی شروع ہوئی جو آج تک جاری ہے۔

رامپور میں راز یزدانی مرحوم میرے والد کے شاگرد تھے اور بڑے اچھے صحافیوں میں شمار ہوتے تھے۔ لاہور کے کئی روزناموں میں لکھتے تھے خالد خاں مرحوم رامپور کے روزانہ اخبار ناظم کے ایڈیٹر تھے اور میرے والد کے اچھے دوست تھے۔ ۱۹۳۸ء میں ان کے اصرار سے میں نے رامپور کے رسالوں اور اخباروں کے لئے مضمون لکھنا شروع کئے۔ میرا سب سے پہلا مضمون رامپور کے ایک ماہنامہ صنعت و حرفت میں شائع ہوا۔ جب میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تھا تو وہاں سے بھی میں نے ایک ادبی ماہنامہ "انیس" جاری کیا تھا اس وقت میرا تخلص ماہر تھا اور میں ماہر علیگ کے نام سے اس رسالے کی ادارت کرتا تھا۔ جب علی گڑھ چھوٹا تو یہ رسالہ بھی

بند ہوگیا۔

لکھنؤ میں جہاں کسب معاش کے لئے مختلف کام کئے۔ سڑکوں پر اخبار بیچنے سے لے کر ٹرانسپورٹ کی سروس تک وہاں میں نے لکھنؤ ہی سے ایک ماہنامہ "راہی" اور ایک روزانہ اخبار "سیارہ" بھی نکالا۔ لکھنؤ کے کئی اخباروں میں تھوڑے تھوڑے وقت کام کرتا رہا۔ پھر لکھنؤ سے کلکتہ چلا گیا اور روزانہ "ہند" میں ملازم ہوگیا۔ ملک کی آزادی کے بعد ستمبر ۱۹۴۹ء میں مجھے اپنی بہن صغریٰ بیگم مرحومہ کی علالت کے سلسلے میں رامپور آنا پڑا۔ یہاں میں نے روزنامہ "آغاز" اور روزنامہ "ناظم" کی ادارت کی ہفتہ وار "چٹان" "ہفتہ وار" "تعمیر" اور کئی ہفتہ وار اخبار بھی جاری کئے اور بالآخر روزانہ اخبار "جمہور" کی ابتدا ہوئی جو رامپور میں میری ہنگاموں سے بھری زندگی کی ایک تاریخ بن گیا۔

۱۹۵۴ء میں رامپور سے جب میں دہلی آیا تو یہاں روزانہ "نئی دنیا" میں بحیثیت ایڈیٹر انچارج ملازم ہوا۔ اس زمانے میں روزنامہ "پیام وطن" کلکتہ میں اس سے وابستہ ہوگیا۔ اس کی لوح پر بحیثیت ایڈیٹر میرا نام بھی شائع ہوا۔ ۱۹۵۶ء میں نقیب دہلی جناب محترم صاحبزادہ محمد مستحسن صاحب فاروقی میرے مربی بنے اور میں "پیام مشرق" میں ماہنامہ "آستانہ" سے وابستہ ہوگیا ۱۵ اگست ۱۹۶۵ء سے میں نے اپنے غریب دوستوں، محنت کش طبقہ ورکنگ جرنلسٹ کے تعاون سے روزنامہ "عوام" محض اپنی محنت کے بل پر جاری کیا جو تقریباً ڈیڑھ سال تک جاری رہا لیکن محنت کا یہ تجربہ میری

زندگی کا بہت ہی سخت اور بہت ہی صبر آزما تجربہ ثابت ہوا۔

۱۶ رجون ۱۹۶۰ء کو میں مکانات کی قلت کے سبب غازی آباد آیا۔ یہاں کرائے کے ایک چھوٹے سے مکان میں مقیم ہوگیا اور اب بھی اسی مکان میں مقیم ہوں۔ غازی آباد میں مجھے بڑے ہی عزیز دوست ملے۔ بڑے سچے، بڑے مخلص، بڑے ہمدرد، ان دوستوں کی غازی آباد میں ایک انجمن بن گئی اور اس انجمن نے جس کی بنیاد دوستی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پر مبنی تھی ادبی محفلیں شروع کردیں ہر مذہب اور ہر فرقے کے تہوار بھی مشترکہ طور پر منائے جانے لگے۔ یہ ادبی محفلیں چونکہ سنیچر کی شام کو ہوا کرتی تھیں اور ان میں ہندی، پنجابی اور اردو کے ادیب و شاعر شرکت کرتے تھے اس رعایت سے میرے عزیز دوست جناب رامیشورم اوپادھیائے جو ہندی کے معروف طنز نگار ہیں ان ادبی محفلوں کو شامِ سنیچر کہنے لگے اور یہی نام رواج پا گیا۔ شامِ سنیچر کی ترکیب اگرچہ اردو کے ادبی حلقوں کو گراں گزرتی رہی لیکن دوستوں کی اس انجمن کا حقیقی مقصد اسی ترکیب کے اندر پنہاں تھا اس لئے بعض حلقوں کی مخالفت کے باوجود شامِ سنیچر کا نام زبان زدِ خاص و عام ہوگیا۔ اس انجمن میں کوئی صدر نہیں ہے، کوئی سکریٹری نہیں ہے، کوئی عہدیدار نہیں ہے، کوئی ممبر شپ نہیں ہے اور کوئی چندہ بھی نہیں ہے۔ اس کی بنیاد محض دوستی، خلوص اور جذباتی ہم آہنگی پر قائم ہے۔ شامِ سنیچر کے دوست ایک دوسرے کے دکھ درد اور خوشی میں اس طرح شریک ہوتے ہیں جیسے وہ ان کے گھر کی خوشی یا ان کے

گھر کا غم ہے۔ عورتیں عورتوں سے، بچے بچوں سے، مرد مردوں سے یوں ملتے ہیں جیسے سب ایک ہی گھرانے کے افراد ہیں۔ میری طویل نظم "ہندوستان" اور بھارت درشن کی ابتدا انہی ادبی محفلوں سے ہوئی اور پھر میں نے ستگورو نانک دیوجی مہاراج کی مکمل سوانح عمری "نذرِ نانک" کے زیرِ عنوان نظم کی جو آپ کے سامنے ہے۔ اس نظم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو، اور رواداریاں جنم لیں۔ میں اس نظم کو ستگورو کے پانچ سو سالہ جنم دن کے سلسلے میں ہونے والی تقاریب کے موقع پر ہندوستانی مسلمانوں کی جانب سے ایک نذرِ عقیدت کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔ یہ تینوں نظمیں بہرحال جن احباب کی خصوصی دلچسپی کی وجہ سے مکمل ہوئیں ان میں ہندی کے معروف افسانہ نگار جناب سمدرشن کمار چیتن، غازی آباد کے سماجی و سیاسی رہنما جناب من موہن دید، جناب اوم پرکاش متل، جناب مہتہ، جناب روندر مان دھاتا، جناب اوم پرکاش آزاد بھاوپوری، جناب عشرت کرتپوری، جناب شمس غازی آبادی، جناب شیولال تیشہ، جناب کرشن لال متر، مقامی کانگریس کے ممتاز رہنما جناب سورج بھان گرگ اور جناب رامیشور رم اپادھیائے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں لیکن ان دوستوں کے شدید اصرار کے باوجود شاید میں یہ نظمیں مکمل نہ کر سکتا اگر میری اہلیہ ہاشمیہ بیگم اور میرے عزیز دوست شری ہریش چندر ملہوترہ جو حقیقی بھائی جیسی محبت کرتے ہیں ان نظموں کو مجھ سے مکمل کرا لینے کا تہیہ نہ کر لیتے۔ ہاشمیہ بیگم خود شاعر ہیں اور شمس العلماء سید سبط حسن صاحب مرحوم کے حقیقی بھائی سید کاظم حسین کاظمی مرحوم کی صاحبزادی ہیں جن کا شمار لکھنؤ کے اساتذہ

پیدا ہوتا ہے۔ جناب ہرلش چند رمحلوانہ اگرچہ سناتن دھرم کالج غازی آباد
میں اکانومکس پڑھاتے ہیں لیکن ان کے مطالعے کی کوئی حد نہیں ہے۔ انگریزی،
ہندی، فارسی اور اردو ادب پر ان کی گہری نظر ہے اور وہ اپنے سینے میں علم
کی بے شمار دولت کا ذخیرہ رکھتے ہیں۔ وہ جتنے سخت ناقد ہیں اُتنے ہی سخن
فہم بھی۔ یہ تسلیم ہے کہ اپنی زندگی کے جس دور میں کمل کی ہے وہ دور میرے
لیے بہت ہی سخت ہے لیکن ہاشمیہ بیگم نے اپنے استقلال، اپنی سلیقہ مندی
اور اپنی بلند حوصلگی سے مجھے سہارے دیئے اور جناب محلوانہ نے میری ہمت
پست نہ ہونے دی۔

وسیع النظر، وسیع القلب رہنما اور علم و ادب کے پیکر گیانی گورمکھ سنگھ
مسافر ممبر پارلیمنٹ، جموں و کشمیر کے سابق وزیر اعظم بخشی غلام محمد ممبر پارلیمنٹ
راجیہ سبھا کے ممبر جناب مصطفےٰ رشید شروانی، اردو کے ممتاز ادیب و شاعر اور
کانگرس کے بزرگ رہنما علامہ گوپی ناتھ امن، دلّی میٹروپولیٹن کونسل کے سابق
چیف ایگزیکٹو کونسلر، دلّی پردیش کانگرس کمیٹی کے سابق صدر اور جنگ آزادی
کے بیباک و بے جگر مجاہد میر مشتاق احمد جو ملک کے ممتاز صحافی بھی ہیں،
درحقیقت وہ لوگ ہیں جو میرے کردار اور میری شخصیت کی تعمیر میں شریک
رہے ہیں۔ ان کو میں نے دیکھا ہے، ان کے ساتھ میں نے کام کیا ہے، ان
کو میں نے پڑھا بھی ہے گنا بھی ہے اور مجھے ان لوگوں کا معنوی شاگرد کہنے
اور بننے میں ایک فخر محسوس ہوتا ہے۔

عالیجناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحر مجموعۂ اوصاف و پیکر محاسن ہیں کہ وہ

اس بیدی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس میں شری گورو نانک دیو مہاراج نے اوتار لیا۔ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں اور بھی بہت سے لوگ ہوں جن میں وہی صفات ہوں جو کنور صاحب میں ہیں لیکن اچھی صفات اگر ظہور میں نہ آئیں تو ان کا حامل اچھا اور نیک انسان تو ہو سکتا ہے لیکن انسانی برادری کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔ کنور صاحب وہ شخصیت ہیں کہ ان کی ہر اعلیٰ صفت ظہور میں آتی ہے اور میرے لیئے مقامِ شکر ہے کہ اُن کا دامنِ کرم میرے سر پہ بھی سایہ فگن ہے اور انھوں نے ایک مخلص دوست اور ایک بزرگ بھائی کی طرح میرا ہاتھ اس دور میں تھاما ہے کہ زندگی کی دوڑ میں اگر میں ٹھوکر بھی کھاؤں تو وہ شاید مجھے گرنے نہ دیں گے۔

محبِ وطن متکرِ صنعت کار جناب امیر علی رحمۃ اللہ، معروف و ممتاز دانشور جناب اشرف علی شمار، محترمہ فاطمہ اشرف علی شمار، میرے لئے عزم و ہمت کا سرچشمہ بن گئے ہیں اور اپنی محبت خلوص اور تعاون سے میری شخصیت اور زندگی کی تعمیر میں منہمک ہیں۔ محبت کی ادائیگی محبت سے ہوتی ہے۔ شکریے کا لفظ اس محبت کو احاطہ کرنے کے لئے ناکافی ہے جو ان حضرات نے میرے لئے اپنے دل کے گوشوں میں پیدا کر رکھی ہے ۔۔۔ ! خودغرضیوں کے اس دور میں بے غرض دوست ملیں تو یہ ایک نعمت ہے اور میں شکر کرتا ہوں کہ مجھے بے غرض اور بے لوث دوست ملے اور کثرت سے ملے۔

بہر حال زندگی نہ جانے کتنے دھاروں میں بہی ہے، کن کن ساحلوں سے ٹکرائی ہے، کہاں کہاں ڈوبی ہے، کہاں اُبھری ہے۔ یہ ایک طویل داستان ہے اور اب میں نے خود بھی اس داستان کے بہت سے باب اپنے ذہن سے محو کر دیئے ہیں۔

نذرِ نانک، میری ایک برس کی لگاتار کاوشِ فکر کا نتیجہ ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ فنی اعتبار سے یہ نظم کیا حیثیت رکھتی ہے لیکن قومی یکجہتی میری زندگی کا ایک مقصد ہے اور میں نے اس نظم میں بھی اپنے مقصد کو پیشِ نگاہ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ یہ اہلِ علم ہی بتا سکتے ہیں کہ میں اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہو سکا۔

عقیدت و ارادت کا یہ نذرانہ میں ستگورو نانک دیو مہاراج کی بلند بارگاہ میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میرے وطن میں چراغ سے چراغ جلیں گے اور روشنی پھیلتی ہی جائے گی۔

نیاز مند

مہارشی قطمی

پندرھویں صدی

اے خدا میرے قلم کو قدرتِ تحریر دے
حُسن دے طرزِ بیاں کو، نظم کو تاثیر دے

نذر دینا ہے عقیدت پیشوائے ہند کو
نظم کرنا ہے جمالِ رہنمائے ہند کو

رہنما جس نے دکھایا راستہ توحید کا
جس کو حاصل ہے شرف تہذیب کی تجدید کا

خضرِ منزل جو بہ ظلمات کی ہر راہ میں

جس نے پایا ایک جلوہ رام اور اللہ میں

وہ ہوا جس دور میں ظاہر تو تھا قہرِ سیاہ

جب تھے ہندو اور مسلماں ملک میں گم کردہ راہ

جب تھی تازہ خون کی بارش چمن میں ہر طرف

جب اندھیرا ہی اندھیرا تھا وطن میں ہر طرف

جھومتے تھے ظلم کے بادل بھری برسات تھی

کانپتا تھا عدل ٹھٹھرن سے کہ ٹھنڈی رات تھی

وہم کے پردے پڑے تھے آدمی کی آنکھ پر

شرک نے ڈالا تھا جالا آگہی کی آنکھ پر

دھرم حیلہ بن گیا تھا ظلم کرنے کے لئے
آدمی کا سر تھا سبیلِ غم گزرنے کے لئے

تھے عوام النّاس زنجیرِ توہم میں اسیر
دولت و منصب کے بھاؤ بکتی تھی جنسِ ضمیر

مُنصفی و عدل کے بازار میں گرمی نہ تھی
حاکموں کے دل تھے پتّھر، رحم کی نرمی نہ تھی

قلّتِ ہر چیز تھی، افلاس تھا، ادبار تھا
حرص کی سوداگری تھی، ظلم کا بازار تھا

لُوٹ بھی، غارت گری بھی، یاس بھی، صدمات بھی
جنگ بھی، حملے بھی، شر بھی، فتنے بھی، آفات بھی

ایک مذہب دوسرے سے برسرِپیکار تھا
وہ تعصب تھا بشر سے، خود بشر بیزار تھا

ہجر و حرماں، یاس و ناکامی کا مارا آدمی
ڈھونڈتا پھرتا تھا اور ملتی نہ تھی آسودگی

آدمی کا دل ملال و رنج سے معمور تھا
زندہ تھا انسان، لیکن زندگی سے دور تھا

نعرۂ تکبیر میں ملتا نہ تھا سوز و گداز
مسجدیں آباد تھیں، بے کیف تھی لیکن نماز

بندگی تقوے سے ہے تقوے سے خالی تھا سماج
تھی عبادت جس طرح تہذیب کے دیگر رواج

جوگ کب تھا نفسِ امّارہ کی زاری کے لئے
بُت کدے دوکانداری تھے پجاری کے لئے
ایشور ذہنِ بشر میں اِک خیالی نام تھا
آدمی ڈرتا نہ تھا رب سے کہ خالی نام تھا
ننگے سر تھا آدمی تاجِ شرف ٹھوکر میں تھا
دل تھا حق کا گھر مگر ابلیس حق کے گھر میں تھا
ہر طرف کچلا ہوا تھا آدمی، تھی چھوت چھات
ہر طرف تھا جاتیوں کا بھید بھاؤ، ذات پات
بلبلیں تھیں پر شکستہ پنجۂ صیّاد میں
نوحہ گر تھی زندگانی، لَے نہ تھی فریاد میں

بے تعلق اہلِ زر تھے ملک کی بہبود سے

مفلسوں کو لوٹ لیتے تھے مہاجن سود سے

آفتابِ زندگی در پردۂ ظلمات تھا

روشنی ناپید تھی، دن بھی اندھیری رات تھا

تھی خلش کانٹوں میں لیکن پھول میں خوشبو نہ تھی

آدمی کی صورتیں تھیں، آدمی کی خو نہ تھی

تھی زمیں نالاں فسادِ ظلمِ نوا ایجاد سے

کانپتا تھا دل فلک کا خاک کی فریاد سے

تھی نہ کوئی عزّت و توقیر ناری کے لئے

تھی جوانی عورتوں کی شب گزاری کے لئے

بے وفا دنیا تھی، جیون میں کوئی راحت نہ تھی

زر کی قیمت تھی، مگر انسان کی قیمت نہ تھی

راہِ باطل پر بشر کی رہنما تھی گمرہی

بسترِ غفلت پہ سویا تھا دماغِ آدمی

بن رہے تھے منصوبے نقضِ امن کی ترغیب کے

دیر سے تھے بند سارے مدرسے تہذیب کے

احتیاجِ زندگی تھی جستجوئے روشنی

آدمی کی اپنی فطرت ڈھونڈھتی تھی آگہی

رات کا دن سے بدل جانا ہے معمولِ حیات

خیر کی طاقت ہے دائم، شر کی طاقت بے ثبات

قدرتاً پھیلی ضیائے آفتابِ صبحِ نو

زندگی نے دی نویدِ انقلابِ صبحِ نو

آگیا اپریل چودہ سو اُنہتّر عیسوی

پردۂ ظلمت سے نکلی مسکرا کر روشنی

طلوعِ مہر

ترپتا دیوی کے شکم سے راہبر پیدا ہوا

رات کے پچھلے پہر مہرِ سحر پیدا ہوا

سادھوں نے یوں دیکھی تلونڈی پہ بارش نور کی

جیسے لَو لہرا کے بھڑکی ہو چراغِ طور کی

مہتہ کالو رائے بیدی کا مکاں روشن ہوا

پھر طلوعِ مہرِ مشرق سے جہاں روشن ہوا

دولتاں دائی نے دیکھی شکل جب مولود کی
برگزیدہ روح کی صورت لبوں پر تھی ہنسی
ضو فگن تھی شمعِ حق نو زائیدہ کے روپ میں
آئینے کی جھائیاں پڑتی ہیں جیسے دھوپ میں
حُسنِ صورت جس نے بھی دیکھا' وہ پروانہ ہوا
نور سے مولود کے روشن زچہ خانہ ہوا
دولتاں دائی نے تعظیماً کیا جھک کر سلام
راہرو پر لازمی ہے راہبر کا احترام
سب سے پہلے معتقد جس کی ہوئی وہ دولتاں
مسلمہ تھی اور صادق اپنے دیں میں بے گماں

۱

منعکس تھا موہنی صورت میں جلوہ طُور کا
چودھویں کے چاند پر ہالا ہو جیسے نُور کا
خاکِ تلونڈی پہ اُتری روشنی آکاش سے
جگمگا اُٹھا اندھیرا رات کا پرکاش سے
مہرِ عرفاں کی ضیا چشمِ بصیرت تک گئی
ست کے سورج کی کرن کیلاش پربت تک گئی

جنم پتری

جب جنم پتری بنا کر دیکھی سیّاروں کی چال

گر پڑا سجدے میں تعظیماً نجومی ہر زیال

زائچہ کہتا تھا بچّہ ایشور کا رُوپ ہے

جو ہرِ مطلق کے سورج کی سُنہری دھُوپ ہے

زندگی میں جو دکھائے گا بشر کو راہِ نیک

جو بنائے گا قلوبِ ہندو و مُسلم کو ایک

یہ گورو ہے، نام بھی اِس کا مُبارک نام ہے
اِیشور نے خود جو رکھا ہے وہ "نانک" نام ہے

بچپن اور تعلیم

جب سے آئے گھر میں مہنتہ کے وہ پائے میمنت
مل گئی سنسار کے سارے غموں سے عافیت
خیر و برکت، راحت و آرام و خوش حالی ملی
منصب و اعزاز پایا فارغ البالی ملی
پانچویں منزل سے گزرا عمر کا جب کارواں
مدرسے بھیجا گیا وہ حسب دستور جہاں

پاٹھ شالے میں سبق لینے کو جب پہلے پہل

سامنے بیٹھا گورو کے پیکرِ حُسنِ عمل

برہمن گوپال پانڈے نے فضیلت کے لئے

نام دیوی کا لکھا تختی پہ رحمت کے لئے

دیکھ کر شاگرد نے لکھّا ہوا دیوی کا نام

یہ کہا اُستاد سے، معصوم ہونٹوں سے کلام

کون ہے یہ؟ آپ نے لکھا ہے کس دیوی کا نام

کیا اسی کے ہاتھ سے سنسار کا چلتا ہے کام

نام رحمت کے لئے تختی پہ لکھنا ہے اگر

نام لکھئے اس کا جو ہے خالقِ شام و سحر

نام لکھتے اُس کا جس نے کُل جہاں پیدا کیا

یہ زمیں تخلیق کی ، یہ آسماں پیدا کیا

سُن کے یہ، اُستاد نے پوچھا وہ داور کون ہے؟

وہ برہم، وہ رام، وہ اللہ اکبر کون ہے؟

مُسکرا کر شِشیہ بولا، وہ سراپا نُور ہے

قلب میں ہے وہ عیاں، گو آنکھ سے مستُور ہے

ذرّے ذرّے میں نہاں ہے اُس کی شکتی، اُس کا نُور

چشمِ بینا دیکھتی ہے غیب میں اُس کا ظہُور

جب سُنی گوپال نے یہ گُفتگوئے پُر اثر

گر پڑا معصُوم قدموں پر جُھکا کر اپنا سر

چُوم کر قدموں کو بولا، اے شہِ عالی دماغ

کون دکھلاتا ہے سُورج کو زمانے میں چراغ

تم گورو ہو تم کو اپنا شِشّ بنا سکتا ہے کون

علم دے جس کو خدا اُس کو پڑھا سکتا ہے کون

جب سُنا مہتہ نے سارا پاٹھ شالے کا بیاں

دل تھا دُنیا دار پہلو میں ہوا غم سے تپاں

بے پڑھے لکھّے چلے گا کام پٹواری کا کیا

زندگی گزرے گی کیوں کر دیر تک سوچا کیا

ہو کوئی صورت منڈھے پھر بیل یہ چڑھنے لگے

باپ کو ضد تھی کہ بیٹا فارسی پڑھنے لگے

ساتھ سن کے آگہی و علم پڑھنے کے لئے

بھیجا رکن الدین کے مکتب میں پڑھنے کے لئے

جب کہا اُستاد نے لب سے الف فرمائیے

بولا یہ شاگرد معنیٔ الف سمجھائیے

سُن کے رُکن الدین یہ کہنے لگا، اے مہ جبیں

حرف اِک آواز ہے اِس کے کوئی معنی نہیں

پھر کہا شاگرد نے، اے عالمِ عالی مقام

لازمی ہے آپ سے فاضل کا سب پر احترام

اپنی جا رکھتا ہے معنیٔ نکتہ نکتہ بالیقیں

یہ نہ کہیئے، معنیٔ حرفِ الف ہوتے نہیں

ذاتِ واجب حرفِ اوّل یعنی معبودِ حروف

خالقِ نُطق و کلام و علم و مسجودِ حروف

سُن کے رُکن الدین یہ کہنے لگا اے خوشخصال

تم گُورو ہو حق نے بخشا ہے تمہیں علم و کمال

تُم کو حاصل ہے تلمّذ کا شرف رحمٰن سے

کِس سے پڑھ سکتا ہے وہ جس نے پڑھا بھگوان سے

یہ خبر مہنتہ کو جب پہنچی تو رنجیدہ ہوا

خوفِ مستقبل سے دل کچھ اور لرزیدہ ہوا

ہو گیا اپنی جگہ مایوس وہ دلبند سے

کام گھر کا کیا چلے گا بے پڑھے فرزند سے

کون رکھّے گا ملازم، کون دے گا کام کاج

کب کسی بیکار کو اعزاز دیتا ہے سماج

اس تصوّر سے کلیجہ مُنھ کو جب آنے لگا

باپ، بیٹے کو بڑی شفقت سے سمجھانے لگا

پیکرِ علم و عمل خاموش سب سُنتا رہا

یاد میں خالق کی اپنا سر مگر دُھنتا رہا

کاروبارِ زندگی میں دل لگانے کے لئے

باپ نے کچھ گائیں دیں بن میں چرانے کے لئے

ڈھور ڈنگر روز لے کر بن میں وہ جانے لگا

باپ کی سونپی ہوئی خدمت بجا لانے لگا

کام چرواہے کا ہوتا ہے تحمّل آزما

پہلے چرواہا بنا ہے اِس لئے ہر رہنما

شفقت و نگرانی و تنظیمِ حیواں سیکھ کر

بن سکے انسان کے پھر قافلے کا راہبر

انبیا سے بھیڑیں چرواتا ہے یُوں ربِّ عظیم

تاکہ حیواں کی جبلّت کا پیمبر ہو حکیم

رُوحِ انساں کے عوارض کا سبب پہچان لے

دِل کی دھڑکن دیکھ لے فطرت کی اُلجھن جان لے

رکھّے کُل مخلُوق کی بہبُود کا ہر دم خیال

تاکہ آجائے پیمبر کے عمل میں اعتدال

کام چرواہے کا سونپا خُوگرِ تسلیم کو
تاکہ سیکھے آدمی کے غول کی تنظیم کو

یادِ رب

پُرسکوں ماحول، تنہائی کا عالم، یادِ رب
"شبد" کے انوار دل میں، نامِ مالکُ ردِلب
تذکرہ خالق کا بن میں اور فرمانے لگا
ایشور کی ذات میں دل غور فرمانے لگا
منظرِ حُسنِ حقیقت میں نگاہیں کھو گئیں
چشمِ باطن جب کُھلی ظاہر کی آنکھیں سو گئیں

لوحِ دل پر پڑھتے تھے لکھّی ہوئی آیاتِ نُور

ذرّے ذرّے میں نگاہیں دیکھتی تھیں برقِ طُور

عالمِ کثرت میں وحدت کی کرن کو دیکھ کر

پنکھڑی میں پھُول کی سارے چمن کو دیکھ کر

وہ پکارا تُو ہی تُو ہے، ماسوا کوئی نہیں

اے خدا کوئی نہیں ہے، اے خدا کوئی نہیں

پھُول میں تُو، خار میں تُو، بحر میں تُو، بر میں تُو

سَم میں تُو، تریاق میں تُو، مے میں تُو، ساغر میں تُو

نُور میں، ظُلمت میں، دن میں، شب میں، مہر و ماہ میں

تیرا ہی جلوہ ہے دنیا بھر کی جلوہ گاہ میں

آب و باد و نار و گِل سے زندگی کا رُوپ ہے

ایک ہی مہرِ حقیقت ہے، جہاں بھی دُھوپ ہے

شمعِ فانوسِ ازل کی ضو فشانی دیکھ لی

دیکھنے والے نے اصلِ زندگانی دیکھ لی

آنکھ کا پردہ اُٹھا تو رازِ پوشیدہ کُھلے

ہر طلسمِ دہر کے اسرارِ نادیدہ کُھلے

آئینے میں آئنہ گر صورتًا ضو بار ہے

ورنہ وہ اللہ اِک اونکار ہے اونکار ہے

پی کے جامِ بادۂ تسلیم مستانہ ہوا

عشق میں دل کھپ کے جذبِ حُسنِ جانانہ ہوا

اب تو وہ بھی وہ تھا جو دریا بھی ہے قطرہ بھی ہے

اب تو وہ بھی وہ تھا جو لالہ بھی ہے شعلہ بھی ہے

اب تو وہ بھی وہ تھا جو خودسوز بھی ہے سانہ بھی

اب تو وہ بھی وہ تھا جو نغمہ بھی ہے، آوازہ بھی

اب تو وہ بھی وہ تھا، جو کھیتوں میں ہریالی بھی ہو

اب تو وہ بھی وہ تھا، جو گلشن بھی ہے، مالی بھی ہو

اب تو وہ بھی وہ تھا، جو غافل کبھی ہوتا نہیں

اب تو وہ بھی وہ تھا، جو بیدار ہے سوتا نہیں

شکایت ایک دہقان کی

عالمِ انوارِ جاناں میں نگاہیں کھو گئیں
لوگ سمجھے پردۂ مژگاں میں آنکھیں سو گئیں

ڈھور ڈنگر چر گئے سب کھیت اِک دہقان کا
ہوتا تھا ظاہر ہیں اندازہ بڑے نقصان کا

سامنے حاکم کے یہ دہقاں شکایت لے گیا
اپنے کُل نقصان کی لکھ کر حکایت لے گیا

پرگنے کا حاکم دنوّاب تھا رائے بُلار

خوش خصال و عدل پرور صاحبِ شان و وقار

داد خواہی کے لئے نانک کو بُلوایا گیا

ماجرا پوچھا گیا، عرضی کو سُنوایا گیا

سُن کے نانک نے کہا "حد سے گزر سکتیں نہیں

میری گائیں کھیت بیگانے کا چر سکتیں نہیں

کھیت ہے شاداب، ہے سرسبز ہر برگ و گیاہ

اس کی ظاہر بیں نگاہوں کو ہوا ہے اشتباہ

واقعہ گزرا ہے کیا" اِس بات کی تصدیق کو

آدمی بھیجا گیا تفتیش کو، تحقیق کو

ساتھ ہرکارے کو لے کر اپنے وہ دہقاں گیا
کھیت کو شاداب جب دیکھا بہت حیراں ہوا

بولا ہرکارے سے نادم ہوں میں لیکن بے گماں
میں نے خود دیکھی تھیں اپنے کھیت کی بربادیاں

سچ شکایت تھی مری ہر چند حاکم کے حضور
کھیت کا شاداب ہو جانا کرامت ہے ضرور

جب سُنا حاکم نے ہرکارے سے سارا واقعہ
سامنے دہقاں کو بُلوا کر خفا ہونے لگا

بولا یہ حاکم سے دہقاں میں پشیماں ہوں ضرور
پَر نہ مانوں گا غلط میری شکایت تھی حضور

میں نے خود دیکھا تھا اپنے کھیت کو اُجڑا ہوا
میں نے خود دیکھا تھا پوری فصل کو روندا ہوا
میں نہ مانوں گا ہوا آنکھوں کو میری اشتباہ
کھیت تھا سرسبز اور مجھ کو نظر آیا تباہ
میں نے خود دیکھی تھیں گائیں کھیت میں چھوٹی ہوئی
میں نے خود دیکھی تھیں ساری بالیاں ٹوٹی ہوئی
ہو نہ ہو کوئی نہ کوئی یہ کرامت ہے ضرور
بگڑی شے کو پھر بنا دینے کی قدرت ہے ضرور
سن کے دہقاں کا بیاں ہر شخص حیراں ہو گیا
دھوپ دیکھی تو یقیں مہرِ تاباں ہو گیا

معتقد سُن کر ہوا سارا بیاں رائے بُلار

آگیا کشف و کرامت پر یقین و اعتبار

دل پُکار اُٹھا کہ نانک ایشور کا بھگت ہے

نفسِ پاکیزہ پہ مہرِ اسمِ اعظم ثبت ہے

خاک پر پیدا ہوا ہے پیشوائی کے لئے

جادۂ حق پرستی کی رہنمائی کے لئے

جب ہوئی اوصافِ باطن کی تجلّی آشکار

قائلِ فیضانِ رحمت ہو گیا رائے بُلار

کالو رائے مہتہ کا وسو

ایک دن نوّاب نے مہتہ کو بُلوا کر کہا

شُکر کر بیٹا ہے تیرا پیشوا و رہنما

میں نے خود دیکھا ہے اس کو دُھوپ میں سوئے ہوئے

ایک کالے ناگ کو پھیلا کے پھن سایا کیئے

میں نے خود دیکھی ہے اس کی صورتِ تاباں کی ضَو

میں نے خود دیکھی ہے اُس میں نُورِ عرفانی کی لَو

باغباں نے حاصلِ گلزار کو جانا نہیں

باپ ہو کر اپنے لختِ دل کو پہچانا نہیں

شکر کر خالق نے بخشا تجھ کو فرزندِ رشید

اُس کو اب گائیں چرانے کی نہ دے زحمت مزید

تیرا بیٹا بے گماں ہے "تاجدارِ دوسرا"

کام اُس سے لے گا خالق رہبریٔ خلق کا

ہاتھ تیرا، کام میں تیرے بٹانے جائے گا

اب سے میرا آدمی گائیں چرانے جائے گا

با ادب سُنتا رہا نوّاب کا کہنا بیاں

دل مگر ڈولا کیا وہم و گُماں کے درمیاں

وسوسہ یہ تھا کہ نانک کو نہ مانے گا سماج
لوگ اپنے دھرم کے ہرگز نہ چھوڑیں گے رواج

وسوسہ یہ تھا نہ جائے دین بھی دنیا کے ساتھ
خوف یہ تھا مُفت رُسوائی نہ آئے اُس کے ہاتھ

قاضی و پنڈت نہ دیں فتویٰ کہیں الحاد کا
اور سر الزام آئے کُفر کی ایجاد کا

راحتِ جاں زندگانی کا سہارا ایک تھا
عینِ فطرت تھی پریشانی کہ بیٹا ایک تھا

سوچتا تھا ہو گا کیا زنّار پہنانے کے وقت
دھرم کی تقریب میں احباب کے آنے کے وقت

اُس نے دی تھی عام دعوت اپنی عزّت کے لئے
سب عزیزوں سے کہا تھا اُس نے شرکت کے لئے
جانتا تھا اُس کا بیٹا ہے رواجوں کے خلاف
مُلحدانہ رسم کے قائل مزاجوں کے خلاف
جس گھڑی کا اُس کو ڈر تھا وہ گھڑی آ ہی گئی
گھر بھرا، مہمان آئے اپنے بیگانے سبھی

زنّار بندی

لے کے جب زنّار آیا ہردیالِ برہمن
مسکرا کر زیرِ لب گویا ہوا غنچہ دہن

فائدہ کیا ہے مجھے بتلائیے زنّار کا
اس سے ہوگا کیا مداوا روح کے آزار کا

باندھ لوں میں آپ کے کہنے سے گر زنّار کو
کس طرح یہ پاک کر دے گی مرے کردار کو

ہر دیال برہمن کہنے لگا زنّار سے
آدمی کی رُوح پاتی ہے شفا آزار سے

برہمن کی بات سن کر بولا پھر وہ خوش خصال
سب یہاں پہنے ہوئے زنّار ہیں اے ہر دیال

اِن میں سے کتنوں کا باطن پاک ہے زنّار سے
واقعی کیا ان کا دل بیکل نہیں آزار سے

باندھ کے زنّار سب ہیں پاک باطن پاک دل؟
کوئی بھی ان میں نہیں بارِ گنہ سے جاں گُسل؟

سُن کے یہ معقول باتیں ہو گیا چُپ ہر دیال
پھر لبِ نازک سے یہ کہنے لگا وہ خوش خصال

آپ کے ہو پاس تو پہنائیں اس زنّار کو

پاک کر دے جو بشر کے باطن و کردار کو

آپ کے ہے پاس کیا ایسی کوئی زنّار بھی

دھو کے کر دے پاک جو انسان کے اطوار بھی

ہے اگر ایسی کوئی زنّار تو دے دو مجھے

ورنہ کچے سوت کے ڈورے سے کیوں باندھو مجھے

ہو اگر ایسی کوئی زنّار تو اسے ہر دیال

ایشور کا نام لے کر آ مری گردن میں ڈال

ورنہ پہنائی ہے مجھ کو جو مرے کرتار نے

نفسِ امّارہ کو باندھا ہے اسی زنّار نے

یہ یقینِ وحدتِ اللہ کی زنّار ہے

یہ ضمیر و قلبِ حق آگاہ کی زنّار ہے

سچ کی یہ زنّار ہے، عرفانِ ربّانی کی ہے

نیک اعمالی کی ہے یہ پاک دامانی کی ہے

حق کا تکلہ کاتتا ہے رحم کی رُوئی کے تار

سُوت اِن تاروں کا بٹتا ہے توکّل زینہار

بندگانِ پاک دامن، خالقِ غفّار کے

باندھتے ہیں صدق سے دونوں سرے زنّار کے

ساغرِ صہبائے عشق و صدق سے سرشار ہوں

میں خدا کے فضل کی پہنے ہوئے زنّار ہوں

سُن کے یہ زنّار کے بارے میں نانک کا بیاں
چھوڑ کر دعوت کا کھانا اُٹھ گئے سب میہماں
وہ خفا ہو کر چلے ایمان لگتی بات سے
دن سے ڈرتے تھے کہ تھے مانوس کالی رات سے
باپ کے دل کو مگر اِس بات کا صدمہ ہوا
جو ہوا مہتہ نے یہ سمجھا کہ وہ رُسوا ہوا
ترپتا دیوی نے کہا شوہر کی تسکیں کے لئے
رنج میں ڈوبے دلِ مُضطر کی تسکیں کے لئے
میں سمجھتی ہوں کہ میرا لاڈلا بیمار ہے
ہے مرض دل کا کوئی، یا ذہن کا آزار ہے

وید سے گفتگو

مشورہ لیں وید سے دکھلا کے میرے لال کو
کوئی دلوائیں دوا بتلا کے سب احوال کو

جب کیا اصرار ماں نے وید کو لایا گیا
نبض دکھلائی گئی، احوال بتلایا گیا

وید نے جب نبض پر نانک کے رکھیں انگلیاں
مسکرا کر وید سے بولا وہ شاہِ عارفاں

جسم کے امراض کی تشخیص میں کامل ہے تُو
تجربہ ہے، واقفِ رفتارِ نبضِ دل ہے تُو
وید سب کرتے ہیں جسمانی عوارض کا علاج
رُوح لیکن درد سے تڑپے تو اس کا کیا علاج
دیکھ سکتا ہے تو میری آتما کی آگ دیکھ
قلب کی رگ رگ میں عشقِ کبریا کی آگ دیکھ
حق فراموشی کا رُوحِ وید کو آزار ہے
کیسی محرُومی ہے چارہ ساز خود بیمار ہے
سُن کے ساری گفتگو حیران و ششدر رہ گیا
نبض چھوڑی اور جبیں قدموں پہ کھ کر رہ گیا

دید کی آنکھوں سے پردہ ہٹ گیا وسواس کا

رُوح جاگی، دل منوّر ہو گیا ہر داس کا

حال دیکھا وید کا مہتہ نے اپنی آنکھ سے

روشنی پائی نہ پھر بھی آگہی کی آنکھ سے

کھرا سودا

اُس نے پھر نانک کو دنیا کی طرف مائل کیا

جیب سے اپنی تجارت کرنے کو روپیہ دیا

پیار سے بولا پدر کی آنکھ کا تارا ہو تم

میرے جیون کا سہارا، میرا گنجینہ ہو تم

تم سے اُمیدیں ہیں مجھ کو یہ کہ تم اے میرے لال

عہدِ پیری میں مرے، میری کرو گے دیکھ بھال

تم سے اُمیدیں ہیں ماں کی آس بن جاؤ گے تم

اپنی اکلوتی بہن کا بیاہ کرواؤ گے تم

تم سے اُمیدیں ہیں اپنے گھر کا رکھو گے وقار

نانکی کے بیاہ میں صرفہ کرو گے بیشمار

مجھ سے لو تھوڑا سا سرمایہ تجارت کے لئے

اور کرو پیدا سبب اپنی معیشت کے لئے

جب بشر کا دم سبب بنتا ہے تب بجتی ہے لَے

اے مرے فرزند! دنیا عالمِ اسباب ہے

اپنی روزی کے لئے پیدا کوئی حیلہ کرو

دیکھ کر ہر چیز منڈی میں کھرا سودا کرو

سر جُھکا کر باپ کی طاعت میں طاعت جُو چلا
ساتھ مردانہ کو لے کر گھر سے وہ خوش خُو چلا

پہنچے اک منزل پہ جب وہ راہ طے کرتے ہوئے
دیکھا کچھ سادھو وہاں ہیں بھوک سے مرتے ہوئے

خاک پر وہ ایڑیاں گھِستے ہیں بے کھائے پیئے
جسم میں پَر تولتی ہے رُوح اُڑنے کے لئے

بھوک کے بھڑکے ہوئے شعلوں میں تن جلتے ہوئے
یاس کے اشکوں میں قطرے خون کے ڈھلتے ہوئے

دیس بھر میں مفلسی سرمایۂ تقدیر تھی
سادھوؤں کی حالتِ غم وقت کی تصویر تھی

بندگانِ زر مہاجن جو رہتے بازار کے

تھے اجارہ دار ساہوکار ہیںدار کے

کھیت ہیں کہ جن کی محنت کا لہو شاداب تھے

بھوک سے بچے انہی دہقانوں کے بیتاب تھے

کشمکش سے محنت و دولت کی دھرتی تنگ تھی

پھول سے خوشبو ہے لیکن رنگ و بو میں جنگ تھی

سادھوؤں کا حالِ غم دیکھا تو وہ تھرّا گیا

پورے تن کا خون کھنچ کر آنسوؤں میں آ گیا

پیکرِ ایثار و احساں، پیکرِ رحم و کرم

یوں کھڑا تھا چپ کہ جیسے پکڑے ہو دھرتی قدم

کیا بشر سے قیمتی ہے دہر میں کوئی بھی شے

سوچئے تو آدمی کی زندگی انمول ہے

خدمتِ انساں سے بہتر کوئی بھی خدمت نہیں

آدمی کی غمگساری سے بڑی دولت نہیں

سوچئے تو اِس تجارت میں کوئی گھاٹا نہیں

آدمی کی جان سے بڑھ کر کھرا سودا نہیں

لوٹے مردانہ سے پھر انساں کا نقدِ جاں خرید

مجھ سے پیسہ لے گئے ان کے کھانے کا ساماں خرید

بولا مردانہ، کہ ہوں گے آپ سے مہتہ خفا

بولے وہ، ہوں خفا راضی رہے لیکن خدا

سادھوؤں کو دے کے خورد و نوش کا سامان سب
پلٹا تلونڈی میں لے کر مولِ جنسِ عشقِ رب
گھر کے لوگوں نے نہ دیکھا رحمتِ حق ساتھ ہے
چشمِ ظاہر بیں نے یہ دیکھا کہ خالی ہاتھ ہے
ساتھ سامانِ تجارت ہے، نہ باقی ہے رقم
کیا کوئی رہزن ملا، مال ڈر گئی، کانپے قدم
جب سُنا بیٹے سے اُس نے کیا کھرا سودا کیا
طیش سے کھولا لہو، مہتہ کو غصّہ آ گیا
اُس نے جب مارا طمانچہ طیش میں رُخسار پر
اشکِ غم چشمِ فلک سے گر پڑا سنسار پر

قدرتِ حق سے اُسی دم آگیا رائے بُلار

دیکھ کر غصّہ پسر پر باپ کا وہ حق شعار

بولا ہو کر ترش رُو، ہے باپ کا غصّہ بجا

تُو مگر سمجھا نہیں اپنے پسر کا مرتبہ

تیرا بیٹا عام بیٹوں سا کوئی بیٹا نہیں

جگ کا رہبر ہے وہ جگ کے کام میں ہیٹا نہیں

اپنا دھن جانے کا تیرے دل کو ہے صدمہ اگر

تُو خزانے سے منگا لے میرے، چاہے جتنا زر

آبدیدہ ہو کے یہ مہتہ نے حاکم سے کہا

غم نہیں پیسے کا، لیکن رنج ہے اِس بات کا

اپنی روزی کے لئے تا عمر بھٹکتا پھریں گے یہ
مانگ کر کھاتے ہیں سادھو، مانگ کر کھائینگے یہ
مانگے تانگے پیٹ ان کا بھر تو جائے گا ضرور
میں زمیں میں شرم سے گڑ جاؤں گا لیکن حضور
ڈر مجھے ہے ان کی بیکاری سے گھر رُسوا نہ ہو
اُنگلیاں ان پر اُٹھیں اور باپ شرمندہ نہ ہو
دیکھئے میری ضعیفی ان کی بیکاری کے ساتھ
کتنی ذمّے داریاں ہیں کارِ سرکاری کے ساتھ
یہ رہے بیکار تو پیسہ کہاں سے آئے گا
نانکی کے بیاہ کا صرفہ کہاں سے آئے گا

ہے نظر کے سامنے خود ان کی شادی کا سوال

مدتوں سے قرض میں میرا بندھا ہے بال بال

گھر کی عزت کے لئے ان کو کمانا چاہیئے

اپنی شادی کے لئے پیسہ بچانا چاہیے

نانکی کا بیاہ کرنا ہے مجھے آئندہ سال

نیک ہے تاریخ بھی اور سال بھی فرخندہ فال

نانکی کی خانہ آبادی و شادی کے لئے

جوڑنا ہے رتی رتی اپنی بیٹی کے لئے

باپ بیٹے کی کمائی دوگنی ہو جائے گی

میرے سر کے بوجھ میں آدھی کمی ہو جائے گی

سن کے مہنت کا بیاں کہنے لگا رائے بُلار
آنے والے وقت کا کر اور تھوڑا انتظار

بے خبر! تو راہرو ہے، رہنما پہچان لے
پار لگ جائے گی کشتی، ناخدا پہچان لے

تُو ہے مُشتِ خاک، تیرا لاڈلا اکسیر ہے
تُو پنپنے گا بھی نہیں، وہ مہر کی تنویر ہے

رہتی ہے تیری حریصانہ امارت پر نظر
اور وہ رکھتا ہے خالق کی مشیّت پر نظر

دامنِ کردار اپنا پاک رکھ ہر عیب سے
ایک دن بھر جائے گا گھر تیرا گنجِ غیب سے

تُو تشدّد نہ کر اپنے لختِ دل کی جان پر

تول ہے سورج کی تیری آنکھ کی میزان پر

نانکی کے بیاہ کا سامان سب ہو جائے گا

تیرے حق میں دستِ قدرت خود سبب ہو جائیگا

تیرے گھر پر آئے گی جب تیری بیٹی کی برات

برکتیں سوغات میں دے گا خدائے کائنات

تیرے گھر سے ہو گی رخصت تیری بیٹی شان سے

ایشور دے گا تجھے بڑھ کر ترے ارمان سے

مہتہ کا غصہ ہوا ٹھنڈا، گیا رائے بُلار

باپ پھر کرنے لگا بیٹے کے رُخسار کو پیار

بی بی نانکی کی شادی

رفتہ رفتہ وقت گزرا آ گیا شادی کا دن
نانکی کی رخصتی کا، خانہ آبادی کا دن
رونقیں تھیں، روشنی تھی، گھر میں تھے مہماں بہت
تھا بہت مسرور مہتہ، شادماں تھی ماں بہت
ڈھول پر وہ لوک گیتوں کی صدا گونجی ہوئی
جھانجھنوں کے شور سے ساری فضا گونجی ہوئی

عطر کی خوشبو سے وہ مہکا ہوا سارا مکاں

اطلسی پوشاک، وہ زیور، وہ چنچل لڑکیاں

وہ مسرّت کی نفیری کیف برساتی ہوئی

وہ سلامت اور مبارک کی صدا آتی ہوئی

ناچتے تھے نوجواں مستانہ بھنگڑہ ناچ بھی

گاؤں حاضر تھا کہ پٹواری کے گھر کی تھی خوشی

محفلِ شادی میں سب موجود خاص و عام تھے

دوست تھے، واقف تھے، رشتے دار تھے، حکّام تھے

مہتہ کا داماد تھا جے رام کھتری باوقار

خوبصورت، نوجواں، اقبال مند و بُردبار

عاملِ ممتاز وہ سردار دولت خان کا

دُھن کا پورا، کام کا پکّا، دھنی پیمان کا

گھر پہ کالو رائے کے بارات آئی دُھوم سے

ساتھ تھے ذی حیثیت اشخاص سلطاں پور کے

مخلصانہ خیر مقدم کے لئے بارات کا

ساتھ مہتہ اور نانک کے بڑھے سب اقربا

ایشور کی رُوئے نانک میں تجلّی دیکھ کر

گر پڑے بارات کے سب لوگ پائے ناز پر

اب ہوا مہتہ کو بھی نانک کی عظمت کا یقیں

جُھک گئی باراتیوں کے ساتھ اس کی بھی جبیں

عورتوں نے گیت گایا نانکِ ذی جاہ کا

رہبرِ انسانیت کا، مردِ حق آگاہ کا

گیت تھا، ہر تشنہ لب طالب ہی تیرے جام کا

لے کے تو آیا ہے امرت ایشور کے نام کا

گیت تھا، نانک ہمارا رہنمائے صدق ہے

روشنیِ شمعِ حق ہے، پیشوائے صدق ہے

گیت تھا، نانک ہمارا ایشور کا ساز ہے

اتحادِ مسلم و ہندو کی اِک آواز ہے

سُلطان پور میں ورود

جب ہوا معلوم دولت خاں کو نانک کا کمال
دل نے چاہا وہ بھی دیکھے ان کی سیرت کا جمال
ایک دن کہنے لگا جے رام سے وہ نیک خُو
ہو سکے تو لے کے میرے پاس آ نانک کو تُو
ہے مری حسرت سراپا رحم و رحمت دیکھ لوں
میں بھی اپنی آنکھ سے نانک کی صورت دیکھ لوں

گو مسلماں ہے، مگر ہے معتقد رائے بلار

کیا عجب ہے پھر کہ ہو وہ عارفِ پروردگار

میں بھی طالب ہوں کہ اس کی دید سے تسکیں ملے

میں بھی طالب ہوں کہ اس سے مجھ کو درسِ دیں ملے

گلستاں میں آتشِ گل کو بھی شبنم چاہیئے

میرے بھی زخمِ جگر کو کوئی مرہم چاہیئے

سُن کے دولت خاں کی باتیں یہ کہا جیرام نے

لاؤں گا نانک کو میں، چاہا جو میرے رام نے

لے کے رُخصت کام سے جیرام تلونڈی گیا

ملنے کا ارماں ہے دولت خاں کو نانک سے کہا

نانکی نے ضد کی سلطاں پور چلنے کے لئے

کر دیا ہمشیر نے مجبور چلنے کے لئے

اس طرح آیا وہ تلونڈی سے سلطاں پور میں

روشنی آئی تھی جیسے شاخِ نخلِ طور میں

دیکھ کر نانک کے رُخ پر عارفانہ روشنی

دل سے شیدا ہو گیا سردار دولت خان بھی

روک رکھنے کے لئے نانک کو سلطاں پور میں

آرزو رکھتا تھا دولت خاں دلِ مسرور میں

کوئی ایسا کام ہو جس میں لگے نانک کا دل

تا کہ سلطان پور میں رہنے لگیں وہ مستقل

بولا نانک سے یہ دولت خاں کہ شاہِ عارفیں

آپ سے بہتر نہیں کوئی خزانے کا امیں

کہہ کے اتنی بات ساری اس نے دولت سونپ دی

جو امانت دار تھا اس کو امانت سونپ دی

بن کے مودی، وہ سخی داتا وہاں رہنے لگا

یہ قیامِ مستقل کا ایک حیلہ بن گیا

شخصیت کے وصف سب جب نمایاں ہو گئے

معتقد نانک کے ہندو اور مسلماں ہو گئے

پوچھا دولت خان نے اِک روز اے پیرِ امیں

کون مرشد ہے ترا اور کونسا ہے تیرا دیں

سُن کے نانک نے کہا، اے صاحبِ فکر و نظر

میرا مرشد وہ ہے جو ہے "پار برہم پرمیشور"

میرا مسلک راستی، میرا عقیدہ ہے وفا

میرا دیں ہے دینِ وحدت، دینِ تسلیم و رضا

سُن کے نانک کی زباں سے یہ جواب باصواب

تھم گیا سینے میں دولت خاں کے دل کا اضطراب

یُن کی نانک کے جب پھیلی خبر جمہور میں

ہو گیا وہ اور بھی مقبول سُلطاں پور میں

لوگ رکھتے تھے امانت اپنی اس کے پاس

مشورہ لیتے تھے ہر اک بات میں بے التباس

لنگر اِک جاری کیا بارے خدا کے نام کا

جس سے کھانا ملتا تھا بھوکوں کو صبح و شام کا

تھا وہاں اِک شخص جادو رائے نامی بدنہاد

شہرہ پُشت و فتنہ پرور بانیٔ شر و فساد

ایک دن کہنے لگا نانک سے رشوت دیجیے

مدّعا یہ تھا امانت میں خیانت کیجیے

بولا جادو رائے سے وہ نیک خصلت نیکنام

پاپ ہے رشوت کا لینا اور دینا ہے حرام

پاپ کی جانب تری مائل طبیعت کیوں ہوئی

مانگنے کی مجھ سے رشوت تجھ کو ہمّت کیوں ہوئی

بولا جادو رائے لنگر کے لئے ساری رقم

میں سمجھتا ہوں کہاں سے آپ کرتے ہیں بہم

بولا وہ خوش خُو نہ تو سمجھے گا مجھ کو کھید ہے

کس طرح جاری ہے لنگر، یہ خدا کا بھید ہے

کان دولت خاں کے پھر بھرنے لگا وہ بے حجاب

روز کہتا دیکھئے سرکار نانک کا حساب

روز لنگر وہ کرے کب اس کی یہ اوقات ہے

کیا حسابِ دوستاں در دل کی کوئی بات ہے

سنتے سنتے پک گئے سردار دولت خاں کے کان

تھا ثبوتِ پاک دامانی کا لازم امتحان

بولا جادو رائے سے اک روز وہ عزّت مآب

اچھا دیکھوں گا ترے کہنے سے نانک کا حساب

ہے یقیں لیکن مجھے اس کا کہ تو پچھتائے گا

چاند پر تھوکا ہوا منھ پر پلٹ کر آئے گا

بولا جادو رائے مجھ کو واسطہ کیا ہے جناب

آپ دیکھیں یا نہ دیکھیں اپنے پیسے کا حساب

جو وفا کا تھا تقاضہ میری، میں نے کہہ دیا

دل کو صدمہ ہے تو ہے بس آپ کے نقصان کا

بولا دولت خاں کہ ڈر اس وقت رب کے قہر سے

آدمی مرنے لگے جب آدمی کے زہر سے

بولا جادو رائے دولت خاں سے یہ ایسے ذی حشم
ہیں نہیں نانک کا دشمن چاہیے جیسی لیں قسم
آپ کے نقصان پر گُر رہتا ہے دل کیجے یقیں
یہ وفاداری ہے میری آپ سے اور کچھ نہیں
یوں کہا اک روز پھر حاکم نے نانک سے خطاب
گر مناسب ہو تو دکھلا دیں مجھے اپنا حساب
پیکرِ جود و سخا بولا دکھاتا ہوں حساب
نامناسب کچھ نہیں ہے لے کے آتا ہوں کتاب
لائے جب نانک تو کھاتا غور سے دیکھا گیا
خرچ اور آمد کی ہر میزان کو جوڑا گیا

پائی پائی مندرج کھاتے میں تھی تاریخ وار
ہر ورق تھا آئنہ، روشن تھے اعداد و شمار
تھا زیادہ خرچ کھاتے ہیں، مگر آمد تھی کم
ذمے دولت خاں کے نانک کی نکلتی تھی رقم
اس سے بڑھ کر اور کیا ہونا امانت کا ثبوت
ہر ورق کھاتے کا دیتا تھا دیانت کا ثبوت
دیکھا کھاتے کو تو جادو رائے شرمندہ ہوا
اور بھی نظروں میں دولت خان کے وہ رسوا ہوا
دیکھ کر حاکم کا جادو رائے پر قہر و عتاب
یہ کیا اُس پیکرِ اخلاق نے ہنس کر خطاب

اِس جہاں میں کون وہ بندہ ہے جو عاصی نہیں

کون ہے جو مبتلائے حق فراموشی نہیں

بخش دیتا ہے خدا جب اپنے بندوں کے گُناہ

بخش دے تُو بھی خطائیں اس کی اے عزت پناہؐ

وسعتِ دل دیکھ کر حاکم کی رغبت بڑھ گئی

دل میں چاہت بڑھ گئی، نظروں میں عزت بڑھ گئی

بند چالیس ہو گئیں، بازی اُلٹ کر رہ گئی

آپ جادو رائے کی کایا پلٹ کر رہ گئی

رکھ دیا قدموں پہ سر، نانک کا شیدا بن گیا

شر کا جو پُتلا تھا، دم بھر میں فرشتہ بن گیا

شادی

دیکھ کر نانک پہ شیدا اہلِ سلطاں پور کو
فکر شادی کی ہوئی ماں کے دلِ رنجور کو

اُس نے مہتہ سے کہا، ہے نانکی کا مشورہ
کیجئے نانک کی شادی دیر کرنا ہے بُرا

اس کو نانک کے لئے آئی ہے اک لڑکی پسند
خوبصورت، خوش سلیقہ، نیک بخت وارجمند

نسل میں ہے چونا کھتری حسن میں وہ پھول ہے
باپ باعزت ہے اپنے گاؤں میں مقبول ہے
مول راج اس کا پدر معروف ہے ممتاز ہے
خانداں والوں میں اپنے صاحب اعزاز ہے
نانکی کی سن کے یہ تجویز مہتہ نے کہا
رشتہ اچھا ہے، مگر نانک کا کیا ہے مدعا
رائے پہلے لیجئے نانک کی، شادی کے لئے
پھر چلیں گے دیکھنے لڑکی کو منگنی کے لئے
خود مری حسرت ہے لاؤں اپنے بیٹے کی دلہن
خود مرا ارماں ہے دیکھوں اپنے پوتوں کا چمن

ہوا اگر تیار نانک گھر گرہستی کے لئے

بن بہم کر دوں گا سب سامان شادی کے لئے

جب بہن نے بھائی سے اصرار شادی کا کیا

تھی مشیت رب کی تو اقرار شادی کا کیا

سُلکھنی دیوی سے جب نانک کا رشتہ ہو گیا

شاد مادر ہو گئی، مسرور مہتہ ہو گیا

تھی غرض شادی سے اس کی، آدمی کر لے یقیں

ترکِ دنیا دھرم والوں کے لئے لازم نہیں

نیکیٔ اعمال کا پھل ہاتھ رہنا چاہیئے

زندگی میں دین و دنیا ساتھ رہنا چاہیئے

یُوں رہے سنسار میں سنسار سے انساں الگ

شمع کی لَو سے ہے جیسے نُور کا داماں الگ

نسل جاری رکھنے کو بخشے خدا نے دو پسر

ایک تھا آرامِ جاں تو دوسرا نُورِ نظر

تھے سری چند اور لکھمی چند ان کے نیک نام

دیکھ کر ہوتے تھے جن کو باپ اور ماں شاد کام

دیدارِ دوست

اپنی چاہت آزمانے مرضی مقصود تھی

باپ سے اولاد چھوٹے دھرم پتنی سے پتی

وہ وہیں پر ایک دن اشنان کرنے کو گیا

دیکھنے والوں نے دیکھا کھا کے غوطہ کھو گیا

سطحِ دریا پے وہیں پر پھر نظر آیا نہیں

تین دن ڈھونڈھا مگر کوئی نشاں پایا نہیں

جب سُنا نوّاب نے، وہ غرقِ دریا ہو گیا

ہاتھ مَلتا تھا الم سے، ہائے یہ کیا ہو گیا

اپنے مونس کے بچھڑ جانے کا سب کو غم ہوا

تین دن تک اہلِ سلطان پور میں ماتم ہوا

لوگ جس کو رو رہے تھے، وہ مگر کھویا نہ تھا

چادرِ امواجِ دریا اوڑھ کر سویا نہ تھا

عالمِ انوارِ رب میں نفس طاہر ہو گیا

تین دن کے بعد پھر دریا سے ظاہر ہو گیا

جب منوّر ہو گیا دل دوستِ دیدار سے

مُول منتر پڑھ کے پھر لگ گیا وہ کرتار سے

پانچ سو غاتوں کو لایا وہ فضیلت کے لئے

اپنے پیرو اپنے سکھ اور اپنی اُمّت کے لئے

پانچ یہ تحفے وہ لایا تھا بہ شکرِ کردگار

دان اور اشنان سیوا، عاجزی اور انکسار

اب بجا لانے لگا کارِ فلاحِ عام کو

اب وہ پھیلانے لگا تہذیب کے پیغام کو

اب کہا اس نے، مسلماں ہے نہ ہندو ہی کوئی

اب کہا اُس نے، وہ مجرم ہے جو رکھتا ہے دوئی

اب کہا اُس نے، خطا ہے امتیازِ نسل و رنگ

اب کہا اُس نے، خطا ہے مسلم و ہندو کی جنگ

اب کہا اُس نے ، جفا ہے بھید بھاؤ ذات پات

اب کہا اُس نے ، ستم ہے شرک آلودہ حیات

اب کہا اُس نے ، کوئی ناچی نہیں ہے دھرم سے

اب کہا اُس نے ، بشر کی ہے بزرگی کرم سے

اب کہا اُس نے ، حشم بخششِ خدا ہوتا نہیں

مال و زر سے کوئی بھی چھوٹا بڑا ہوتا نہیں

اب کہا اُس نے کہ سب اولادِ آدم ایک ہے

اب کہا اُس نے ، رحیم و رام و برہم ایک ہے

اب کہا اُس نے ، مساوات و اخوّت چاہیئے

آدم و حوّا کے کُنبے میں محبّت چاہیئے

قریہ قریہ درسِ تسلیم و رضا دینے لگا

اب وہ اپنے ایشور سے روشنی لینے لگا

لوگ اس کے ہمخیال و ہمزباں بننے لگے

رہبر کامل ملا تو کارواں بننے لگے

اس کی بانی سننے والے اس پہ شیدا ہو گئے

شمع کے جلتے ہی پروانے بھی پیدا ہو گئے

تھا برابر مسلم و ہندو کو اُس پر اعتقاد

دونوں ہی رکھتے تھے اپنے رہبر پر اعتماد

ریاکاروں کا حسد

اہلِ سلطاں پور جب نانک کا دم بھرنے لگے
تاجرانِ دین و مذہب سازشیں کرنے لگے
شیخ و پنڈت، قاضی و مفتی، پجاری برہمن
پیکرانِ سوءِ ظن، ناواقفانِ حُسنِ ظن
مدّتوں سے جو بنے بیٹھے تھے دیں کے ٹھیکیدار
ڈرتے تھے ان کا کہیں ٹھپ ہو نہ جائے روزگار

کرتے تھے وعدے کا سودا دیں کے کاروبار میں
بکا کرتے تھے تعصب بیچنے بازار میں
ڈالتے تھے تفرقہ فتنہ اٹھانے کے لئے
بیچتے تھے دھرم کو دُنیا کمانے کے لئے
داعئ اسلام، اخلاقِ نبیؐ سے بے خبر
ایشور کے نام لیوا آدمی سے بے خبر
جھوٹی قدریں، جھوٹی رسمیں، جھوٹے تہذیبی رواج
دین کی ہونٹوں سے باتیں، دل میں بیدینی کا راج
شیخ و پنڈت کی تمنّا آدمی جاہل رہے
دین کو مانے، مگر خود دین سے غافل رہے

جُبّہ و دستار کی قیمت چُکا لیتے تھے وہ

آدمی کے ذہن کو پتھّر بنا دیتے تھے وہ

کھینچ کر ماتھے پہ قشقہ فہمِ انساں لُوٹ لیں

وہ پُجاری دھرم کے دھوکے ہیں ایماں لُوٹ لیں

سامنے سورج کے مٹّی کا دیا شرما گیا

جب کرن پھُوٹی تو ظلمت کو پسینہ آ گیا

مسجد و نماز

شہرِ سُلطاں پور کے قاضی نے نانک سے کہا
ایک ہیں ہندو مسلماں، ہے عقیدہ آپ کا
دیکھتی ہے جب حقیقت آپ کی چشمِ مجاز
آیئے اک روز آ کر پڑھئے مسجد میں نماز
چال وہ دوہری چلا تھا پوری عیّاری کے ساتھ
تھی غرض شاطر کی دے شہ مات مکّاری کے ساتھ

آئیں گے مسجد میں تو ہندو خفا ہو جائیں گے

ورنہ سارے ٹاٹان پور کے مُسلم جُدا ہو جائیں گے

پیکرِ فہم و فراست نے سیاست جان لی

دیکھ کر قاضی کی صورت اُس کی حکمت جان لی

مُسکرا کر بولا وہ مسجد میں آؤں گا ضرور

بارگاہِ ایزدی میں سر جُھکاؤں گا ضرور

دیکھنا ہے مجھ کو بھی سچا نمازی کون ہے

نام کے غازی تو سب ہیں من کا غازی کون ہے

وہ سراپا بندگی، وہ پیکرِ عجز و نیاز

آگیا اک روز مسجد میں ادا کرنے نماز

دیکھ کر اس کو، نمازی شادماں ہونے لگے

اور فضائل اُس کے ہر لب سے بیاں ہونے لگے

دی مؤذّن نے اُدھر اللہ اکبر کی صدا

اور اِدھر ہر موئے نانک بول اُٹھا مرحبا

صف بندھی، بعدِ اذاں مسجد میں جتنی دیر میں

آگیا نوّاب دولت خاں بھی اتنی دیر میں

دیکھ کر نانک کو پہلی صف میں نزدیکِ امام

خوش ہوا یہ سوچ کر وہ حاکمِ عالی مقام

کون ہے نانک سے افضل، کون ہے ذی احترام

شہر کے قاضی سے بہتر مِل گیا اس کو امام

دیکھا یہ سردار نے جب ہو چکی پوری نماز

ہے الگ وہ سب سے محوِ بندگیٔ بے نیاز

پوچھا دولت خاں نے جب کیوں آپ نے چھوڑی نماز

بولا یہ نوّاب سے وہ پیکرِ عجز و نیاز

جو ہو اپنے رب سے دھوکا وہ ریاضت پاپ ہے

جس ریاضت میں ریا ہو وہ عبادت پاپ ہے

تھے نمازی، نفس لیکن مکر میں تھا، جل میں تھا

آپ بھی کرتے تھے سجدہ، دل مگر کابل میں تھا

اصطبل کی چار دیواری میں تھے کھوئے ہوئے

آپ گھوڑوں کی خریداری میں تھے کھوئے ہوئے

آرہا تھا ذہن میں قاضی کے بچھڑے کا خیال

خوف تھا وہ گر نہ جائے چاہ میں رشکِ غزال

رب کے گھر میں رب سے غافل پڑھتے ہیں رسما نماز

یہ عبادت مکرِ ابلیسی ہے اے بندہ نواز

جو مسلماں پر نمازِ پنجگانہ فرض ہے

اُمتِ خیر البشرؐ پر وہ خدا کا قرض ہے

ہے نمازِ صبح، عہدِ صدق و پیمانِ وفا

دل سے ایقانِ الٰہی، لب سے اقرارِ خدا

ہے نمازِ ظہر یعنی وعدۂ اکلِ حلال

ہے نمازِ عصر عہدِ نیکی و خیراتِ مال

نیک نیّت رہنے کا پیماں ہے مغرب کی نماز

اور عشاء، اقرارِ اوصاف خدائے بے نیاز

یہ نمازیں جو پڑھے گا وہ جناں کو پائے گا

ورنہ اس کی بندگی کا پھل تلف ہو جائے گا

قاضی و نوّاب اپنے دل میں حیراں ہو گئے

یہ بیاں نانک کا سُن کر سب پشیماں ہو گئے

کہہ کے یہ مسجد سے نکلا وہ سراپا آگہی

ہندو مسلم سے پہلے دوستو ہے آدمی

بندگانِ خالقِ واحد کی خدمت کیجئے

ہیں اگر انساں تو انساں سے محبت کیجئے

عزمِ سفر

اہلِ سلطاں پور کو دے کر اخوّت کا پیام
حکمِ خالق سے سیاحت کو چلا وہ نیک نام
رنج میں فرقت کے سینہ کوب تھے اہل و عیال
بھائی سے چھٹنے کے غم میں تھی بہن آشفتہ حال
بیقرار و مضطرب سب اہلِ سلطاں پور تھے
تھا جدائی کا الم ، مہجور تھے ، رنجور تھے

شہر کا قاضی بھی رنجیدہ تھا، دولت خان بھی

تھے تپاں سینے میں سوزِ غم سے دل بھی جان بھی

وہ پیادہ پا سفر، وہ دھوپ اور چھاؤں چھاؤں

ایشور کا تذکرہ، وہ نگری نگری گاؤں گاؤں

بادۂ عشقِ الٰہی نرگسِ مخمور میں

ایشور کے نام کا امرت دلِ پُر نور میں

پیکرِ صدق و صفا کے ساتھ مردانہ بھی تھا

شمع کی لَو تھی رواں ہمراہ پروانہ بھی تھا

عزمِ اصلاحِ بشر لے کر دلِ پُر نور میں

چلتے چلتے آ گیا اِک دن وہ سید پور میں

پوری بستی دیں سے غافل، پوری بستی حق سے دُور
نام سیّد پور لیکن شہرِ نسیان و قصُور
ارتداد و شرک و استبداد کے تاجر تھے لوگ
کُنبہ پرور، شر پسند و فاسق و فاجر تھے لوگ
مفلس و نادار لالو ذات کا نجّار تھا
شہر میں لیکن وہی اِک صاحبِ کردار تھا
اپنی محنت سے کیا کرتا تھا وہ کسبِ حلال
ہر گھڑی رہتا تھا اس کے دل میں خوفِ ذوالجلال
حکمِ رب تھا صاحبِ ایماں ہو اُس کا میزبان
اِس لئے مہماں ہوا لالو کا وہ کرپا ندھان

اُس کی صحبت میں مزہ میخواریٔ عرفاں کا تھا

اُس کی شوکھی روٹیوں میں ذائقہ ایماں کا تھا

چھوٹی اُمّت کے گھروں میں کھانا پینا اور قیام

تھا روا جگا دیس میں ہر اُونچی جاتی پر حرام

ناگواری کا سبب تھا اونچی ذاتوں کے لئے

ذات کا کھتری کسی چنڈال کے گھر میں رہے

برہم بھوج

حاکم دیوان اونچی ذات کا اک فرد تھا
شہر کے نظم و نسق میں سخت تھا بے درد تھا
جابر و ظالم تھا، دل پتھر کی صورت سخت تھا
نام تھا دیوان کا بھاگو، مگر بدبخت تھا
کون ہے نانک چبھن تھی اس کے دل میں کھوج کی
اس نے کی اپنے یہاں تقریب برہم بھوج کی

عزّت و اکرام سے نانک کو بُلوایا گیا

بھوج میں شرکت کریں پیغام بھجوایا گیا

لے کے دعوت کا پیام آیا تھا جو اس شخص سے

یوں لبِ الطاف و احسان و کرم گویا ہوئے

شکریہ کر کے ادا میری طرف سے بار بار

پیش کرنا خدمتِ بھاگو میں میرا اعتذار

کہنا میں ممنون ہوں دل سے مگر معذور ہوں

میں تری دعوت میں کھانا کھانے سے مجبور ہوں

بھوج میں شرکت سے جب انکار بھاگو نے سُنا

غصے کی بارود میں جیسے فلیتہ لگ گیا

عظمت و اقبال کا سِکّہ بٹھانے کے لئے
اپنی شان و شوکت و حشمت دکھانے کے لئے
اُس نے نانک کو بُلایا کچھ سپاہی بھیج کر
آگیا وہ عارفِ اللہ بے خوف و خطر

اُس سراپا خُلق کو دیکھا جو اپنے رُو برُو
خود سپر کہنے لگا وہ آپ سے تُم تُم سے تُو
طیش میں بولا ہمارے گھر سے آنے سے گریز
اور یہیں نجار کے چوکے میں کھانے سے گریز
تجھ کو اِک کھتری کے برہم بھوج سے انکار ہے
اور اُس کی روٹیاں کھاتا ہے جو نجار ہے

سُن کے یہ، دیوان بھاگو سے کہا اس نے سخن

شکلِ انساں ایک ہے تو ایک ہیں چاروں ورن

ذات کوئی بھی ہو فطرت اور جبلت ایک ہے

اصل میں تو وہ بڑا ہے، جو عمل میں نیک ہے

کاٹ کر وہ بات، بولا درمیاں میں بدتمیز

دیس کی ہے جو بھی مریادا، ہے مجھ کو وہ عزیز

سیکڑوں چنڈال ہیں سندیش سُننے کے لیئے

میں نہیں راضی ترا اُپدیش سُننے کے لیئے

مُسکرا کر زیرِ لب نانک یہ فرمانے لگے

ہائے وہ چونٹا جو اپنے پر پہ اترانے لگے

عافیت اور خیر کا سندیش دینے کے لئے
میں نہیں آیا تجھے اُپدیش دینے کے لئے
سامنے تیرے کہوں اس پر تجھے اصرار ہے
کس بنا پر کھانا کھانے سے مجھے انکار ہے
مت کرو اصرار مجھ سے ورنہ تم پچھتاؤ گے
سامنے جب ظلم آئے گا تو تڑپا جاؤ گے
پاپ بھوجن ہے لہو کی جس سے بو آنے لگے
بد وہ کھانا ہے کہ دل کھانے سے متلانے لگے
حق سے ڈرتا ہوں ستمگاری مجھے آتی نہیں
شیر ہوتا ہوں کہ خونخواری مجھے آتی نہیں

آدمی کے گوشت کو کچّا چبا سکتا ہے کون

خون میں ڈوبی ہوئی روٹی کو کھا سکتا ہے کون

خوب ہے محنت کی کھانا پاک و پاکیزہ غذا

خوب ہے نجّار کے چوکے میں پینا دودھ کا

پاک ہے نجّار کی محنت کا کھانا پاک ہے

کیا کہوں کھتری کا بھوجن خون سے ناپاک ہے

دودھ ہے جو نجّار کے کھانے میں محنت کا شریک

خون ہے کھتری کے بھوجن میں شقاوت کا شریک

سُن کے بھاگو، یہ بیاں غصّے سے بل کھانے لگا

کبر کا شعلہ ہوا کے ساتھ لہرانے لگا

طنز سے ہنستے ہوئے کہنے لگا وہ خود سیر

بے تردد مانتا ہوں آپ کی گہری نظر

یاوری سے بخت کی مجھ کو زیارت ہو گئی

آپ کے دیدار سے شاداں طبیعت ہو گئی

آپ کا ہمسر ہو ایسا کوئی بھی دیکھا نہیں

سب نے کھایا لقمۂ خوں بھوج میں چھوڑا نہیں

بات کی ہے بات مجھ پر ظلم کا بہتان بھی

آپ ورنہ جانتے ہیں کھتریوں کی شان بھی

تو ہے کھتری، بات ہے کھتری کی پتھر کی لکیر

تہمتیں دھرتے نہیں ہرگز کبھی سچے فقیر

مجھ کو دکھلا دے تو میں بھی مان لوں روشن ضمیر
میرے کھانے میں لہو' بجار کے کھانے میں شیر

سُن کے نانک نے کہا کرتار ہے میرا کفیل
میں کبھی کرتا نہیں دعوٰی زباں سے بے دلیل

میں دکھاتا ہوں بنامِ عظمتِ ربِّ قدیر
تیرے کھانے میں لہو' بجار کے کھانے میں شیر

بے گنہ کے سر کوئی بہتان چُھپ سکتا نہیں
خونِ ناحق کوئی بھی صورت ہو چُھپ سکتا نہیں

بھاگو اور لالو کی لے کر پوریاں اور روٹیاں
بند کر کے اُنگلیاں بھینچیں جو دونوں مٹھیاں

دیکھنے والوں نے دیکھی صورت معجزہ نگار

دُودھ نکلا ایک سے اور دوسرے کی خوں کی دھار

پوریوں سے جب لہو نکلا تو بھاگو ڈر گیا

چلّو بھر پانی میں ڈوبا، شرم سے مر مر گیا

سامنے نانک کے توبہ کی، خدا سے ڈر گیا

ایک بھاگو جی گیا، اور ایک بھاگو مر گیا

صوفی شاہ شرف سے ملاقات

قصبہ یہ تاراج ہوگا کہہ کے یہ پیشین گو

پانی پت میں آگیا صوفی شرف کی دید کو

تیسرے دن یہ کہا نانک سے صوفی نے سخن

بندۂ یزدانِ من، اے جانِ من، مہمانِ من

بال اور یہ پیرہن تیرا گدایانہ نہیں

تو گرہستی ہے، ترا مسلک فقیرانہ نہیں

بولے نانک عذر ہے یہ بال کھولنے میں بھی
آدمی کے سامنے کیوں سر جھکائے آدمی
میں نے اپنا سر جھکایا ہے خدا کے سامنے
جھک نہیں سکتا کسی بھی ماسوا کے سامنے
زیب تن میں نے کیا ہے خرقۂ عشقِ الٰہ
پاؤں میں موزے وفا کے سر پہ ہے سچ کی کلاہ
تکمۂ توحید ہے میری قبائے عشق میں
میں نے ڈھانپا ہے بدن اپنا ردائے عشق میں
ستر ڈھنکتا ہے محبّت کی ردائے پاک میں
آدمی رہتا ہے عُریاں ورنہ ہر پوشاک میں

پھر کہا صوفی شرف نے سُن کے نانک کا جواب
ہے تعلّق آپ کا کس دین و ملّت سے جناب
بولے، میری ذات آب و باد و نار و خاک ہے
آدمی ملّت ہے، دیں عشقِ خدائے پاک ہے
پھر کیا صوفی شرف نے مُسکرا کر یہ سوال
عارفِ درویش میں ہوتا ہے کیا وصفِ کمال
بولے، عارف وہ ہے جو اللہ پر شاکر رہے
وصف ہے درویش کا، ہر حال میں صابر رہے
وصف ہے درویش کا سب جھوٹی رسمیں توڑ دے
امتیازِ رنگ و نسل و دین و ملّت چھوڑ دے

وصف ہے درویش کا انسان سے اُلفت کرے
آشنا نا آشنا ہر شخص کی خدمت کرے

وصف ہے درویش کا ہو صورتِ دریا رواں
جس کے پانی کو ہو یکساں پھُول اور سنگِ گراں

وصف ہے درویش کا خوشبُو ہو صندل کی طرح
برسے ہر دھرتی پہ وہ برکھا کے بادل کی طرح

وصف ہے عارف کا اپنے نام کا طالب نہ ہو
نیکیاں کرتا رہے انعام کا طالب نہ ہو

وصف ہے درویش کا خُلق و مُروّت سب سے ہو
آدم و حوّا کے بیٹوں میں محبّت سب سے ہو

وصف ہے درویش کا خالق سے نسبت ایک ہو

راحت و تکلیف اور رنج و مسرّت ایک ہو

وصف ہے درویش کا سر زیبِ نوکِ دار ہو

زیرِ خنجر بھی جو محوِ دیدِ حُسنِ یار ہو

وصف ہے درویش کا دل عشق میں بیتاب ہو

خواب میں بیداریاں، بیداریوں میں خواب ہو

سُن کے یہ شاہِ شرف کہنے لگے اے ذی وقار

آپ ہیں درویشِ کامل عارفِ پروردگار

معتقد صوفی کا دل بھی مشعل مردانہ ہوا

شمعِ عرفاں سامنے آئی تو پروانہ ہوا

کوروکھشیتر میں ورود

بستی بستی نگری نگری درسِ حق دیتا ہوا
پانی پت کے شہر سے کوروکھشیتر میں آگیا
تیر سے اِک سِکھ نے مارا ایک دن بن میں ہرن
اتّفاقی امر تھا اس روز تھا سُورج گہن
تھے ہزاروں یاتری اشنان کرنے کے لئے
پُوجا کرنے کے لئے اور میلہ بھرنے کے لئے

جب خبر پھیلی ہرن مارا ہے کھانے کے لئے
کٹ رہا ہے گوشت لنگر میں پکانے کے لئے
جیو ہنسیا پر حواس و ہوش سب کھونے لگے
برہمن ناراض ہو کر مشتعل ہونے لگے
دیکھ کر نانک نے اُن کا اشتعال و اضطراب
پھر کیا اپنے لبِ معجز نما سے یہ خطاب
آب سے ہے زندگی اور زندگی سے سبزیاں
زندگی ہے پتّے پتّے، بُوٹے بُوٹے میں رواں
سبزیاں دیتی ہیں حیوان اور انساں کو حیات
جیو ہنسیا پر ہی مبنی ہے نظامِ کائنات

ایک مچھلی دوسری مچھلی کی بنتی ہے غذا

شیر کھاتا ہے ہرن کا گوشت، شاہیں فاختہ

گوشت سے چڑتے ہو تم اے پیکرانِ استخواں

گوشت کا سارا بدن ہے گوشت کی مُنھ میں زباں

گوشت سے رغبت بھی ہو اور گوشت سے پرہیز بھی

مجھ سے پوچھو کھا رہا ہے آدمی کو آدمی

ہے ہرن کا گوشت انساں کی غذا کے واسطے

آدمی کا گوشت مت کھاؤ خدا کے واسطے

اکل و شرب پاک ہے رب کی عنایت دوستو

مجھ سے ہو سکتا نہیں کفرانِ نعمت دوستو

کرم ہی سے دھرم ہے، بے کرم جینا ہی حرام

آدمی پر آدمی کا خُون پینا ہے حرام

سُن کے یہ معقول باتیں لوگ شرمندہ ہوئے

مشتعل ہو کر جو آئے تھے، پراگندہ ہوئے

کر کے وہ کوتاہ بینی کی مہا بھارت کو سر

دے گیا حق کا سبق مثلِ کرشنِ خوش سیر

سُورج پر جل چڑھانے کی رسم

دھرم پھیلاتا ہوا وہ عارفِ پروردگار

نگری نگری چلتے چلتے آگیا ہر کے دوار

وہ دیارِ یار جس کا کوچہ کوچہ لالہ زار

جس کی گلیوں میں مچلتی پھرتی ہے گنگا کی دھار

شہر عرفانِ الٰہی، شہرِ عشق و آرزو

جادہ جادہ نور افشاں، کوچہ کوچہ مُشکبو

وہ دیارِ دوست اسمِ بامسمّٰی ہردوار

جس کے ذرّے ذرّے سے ہر کی تجلّی آشکار

مندروں کے وہ پُجاری، جُو گیا وہ پیرہن

دل میں لیکن خارِ تشکیک و تذبذب کی چُبھن

یاتری گنگا کے جل میں ڈُبکیاں کھاتے ہوئے

منتر وہ پڑھتے ہوئے ہر کے بھجن گاتے ہوئے

دھوئے دھوئے صاف صاف اور اُجلے اُجلے وہ شریر

دل مگر میلے کُچیلے پاپ سے گندہ ضمیر

صبح کو سورج پہ گنگا جل چڑھانا مشغلہ

مُورتی کے سامنے ماتھا ٹیکنا مشغلہ

وہ تھے پُوجا کے مگر مقصُود سے نا آشنا

برہما سے بے خبر، معبُود سے نا آشنا

ساغرِ دل نُورِ یزدانی سے بھرنے کے لئے

ایک دن نانک گئے اشنان کرنے کے لئے

دیکھا کچھ لوگوں کو سُورج پر چڑھاتے گنگا جل

پُوچھا یہ کیا ہے؟ کہا سورج کی پُوجا کا عمل

سُن کے یہ پھر آپ نے بھی جانبِ کرتا رپور

آب دریا کا اُچھالا چُلوؤں سے دُور دُور

پوچھا لوگوں نے تو بولا سالکِ راہِ یقیں

میں یہاں سے سینچتا ہوں اپنے کھیتوں کی زمیں

یہ سُنا تو لوگ جو موجود تھے ہنسنے لگے

کچھ نے سودائی کہا، کچھ پھبتیاں کسنے لگے

ایک بولا آپ کی کوڑی گری ہے ریت میں

دوسرا کہنے لگا برسے گا پانی کھیت میں

ایک بولا کھیت میں پہنچے گا پانی آپ کا

دوسرا بولا نہیں دنیا میں ثانی آپ کا

سُن چکا سب پھبتیاں تو پیکرِ حُسنِ عمل

بولا سورج تک پہنچ جاتا ہے جب دھرتی کا جل

آپ کا پانی تو پہنچے خاک سے تا آفتاب

اور میں سینچوں یہاں سے کھیت تو پہنچے نہ آب

دیکھتے ہیں آپ سورج خاک سے ہے کتنی دور

اور یہاں سے کس قدر نزدیک ہے کرتار پور

آپ سوچیں ہے عمل میرا غلط' یا آپ کا

جل کا سورج پہ چڑھانا کیا نہیں بے فائدہ

انجم و سیّار و ماہ و آفتاب و کہکشاں

ابر و برق و باد، برگ و گل، زمین و آسماں

بحر و بر، دشت و بیاباں، رہگزار و کوہسار

دھوپ چھاؤں نور و ظلمت، روز و شب، لیل و نہار

مور و مار و ماہی و حیوان و جان دار انس و حور

ساز و آواز و ترنم، نطق و احساس و شعور

یہ زمان و وقت، یہ ظرفِ مکاں، یہ کائنات

یہ اجل کی تیز رَو کے ساتھ امواجِ حیات

ذرّہ ہائے خاک میں یہ اجتماعِ نوُر و نار

کتنے سورج اوس کی اِک بُوند میں ہیں شُعلہ بار

مخفی و ظاہر ہر اک شے رُوپ ہے بھگوان کا

ہے پرستش صرف واجب کی شرف انسان کا

چھوڑ کر خالق کو کیوں تخلیق کی پُوجا کرو

بندگی کرنا ہے تو کرتار کو سجدا کرو

دھرم کی تعلیم سے دل میں اُجالا ہو گیا

رات گزُری، آدمی جاگا، سویرا ہو گیا

ساحرہ نور شاہ

درسِ حق دینے میں اُس نے تج دیا آرام تک
بستی بستی، شہروں شہروں وہ گیا آسام تک

ایک بستی خطۂ آسام میں تھی کامرُوپ
ساحرہ تھی جس کی رانی اِک، بلا تھا جس کا رُوپ

تھی رعایا ساحرہ رانی کے گیسو کی اسیر
نوجواں کھاتے تھے اُس کے عشق کا سینے پہ تیر

حسن میں تھی نورِ پیکر، نام بھی تھا نور شاہ

جادوئے آسام گیسو، سحر بنگالہ نگاہ

زور سے جادو سے اپنے ایک دن اُس شوخ نے

کر لیا نخچیر مردانہ کو تیرِ سحر سے

واپسی میں دیر مردانہ کو جب ہونے لگی

دل کو نانک کے پریشانی عجب ہونے لگی

کونسی ہے وہ بنا جو باعثِ تاخیر ہے

سوچتے تھے وہ سبب کیا ہے جو دامن گیر ہے

فکر یہ پیدا ہوئی نانک کے قلبِ زار میں

کیا خبر وہ کھو گیا ہو اجنبی بازار میں

ڈھونڈھنے نکلے گیا بستی میں مردانہ کہاں

شمع کو تھی جستجو، ہے اُس کا پروانہ کہاں

کس سے بولیں، کس سے پوچھیں، لوگ سب ہی اجنبی

پیرہن، پوشاک، صورت، بولی ٹھولی، اجنبی

ٹھہرے اِک جا چلتے چلتے نزدِ قصرِ نورشاہ

سچ کہا ہے بے گماں ہوتی ہے دل سے دل کو راہ

آئینہ صورت جھلکتا تھا فضا میں رشتۂ دوست

آ رہی تھی دامنِ سوچ ہوا سے بوئے دوست

ایک دل کہتا تھا کیوں آئے گا مردانہ یہاں

ایک دل کہتا تھا لیکن ہے وہ پروانہ یہاں

کچھ تذبذب، کچھ پریشانی بھی، کچھ ہیجان بھی

تشکلیں اندیشوں کی، دل کا آئینہ حیران بھی

چُپ رہے، سوچا کئے، ٹھہرے رہے حیران سے

بات چھیڑیں یا نہ چھیڑیں قصر کے دربان سے

دیکھتے تھے غور سے خود قصر کے دربان بھی

سوچتے تھے کیوں کھڑا ہے دیر سے یہ اجنبی

ایک نے بڑھ کر کہا بتلایئے کیا کام ہے

کیوں کھڑے ہیں، کس طرف سے آئے ہیں، کیا نام ہے

بولے میں پنجاب کا باسی ہوں، نانک نام ہے

نیکیٔ اعمال کی تعلیم میرا کام ہے

میرا ساتھی کھو گیا ہے، جس کا مردانہ ہے نام

دوپہر سے کھوج میں ہوں، دو گھڑی باقی ہے شام

کس سے پوچھوں، کیا کروں، ڈھونڈوں کہاں، جاؤں کہاں

مُبتلا ہے کِس بلا میں، یہ پتہ پاؤں کہاں

سحر کے آلات سے رانی نے سب باتیں سُنیں

دُوربیں اپنی اُٹھا کر دیکھی شکلِ دلنشیں

سحر کی پھینکیں کمندیں، سر کئے جادو کے تیر

تاکہ ہو نخچیر دل، نانک بھی ہوں اس کے اسیر

ماش مارے، مرچ پھونکی، تیل کو لُوکا دیا

مائی کالی کی جبیں پر خون کا ٹیکا دیا

دیکھتی تھی اِک حصارِ نُور ہے اُس کے قریں

بند ہو جاتا ہے جادو چل کے بھی چلتا نہیں

سحر کو ناکام جب دیکھا تو حیراں ہو گئی

شلِ گیسو پیچ کھا کھا کر پریشاں ہو گئی

سحر جو باقی رہا تھا اب وہ تھا اُس کا جمال

یعنی امرت کے کٹورے لیے بس بھرمی ناگن وہ بال

اس نے نانک کو بُلایا تاکہ پھر جادو کرے

بسملِ تنبیہِ نگاہ و کُشتۂ ابرو کرے

آئے جب نانک تو اٹھی ایک انگڑائی کے ساتھ

خیر مقدم کو بڑھی وہ پوری رعنائی کے ساتھ

تختِ زر پر بیٹھ کر جادو بیاں، جادو نگاہ

حاکمانہ شان سے نانک سے بولی نور شاہ

ہوتے ہیں جاسوس اکثر جوگیوں کے بھیس میں

کیا غرض ہے؟ آپ کیوں آئے ہیں میرے دیس میں

بولے میرے ظاہر و باطن کا یکساں بھیس ہے

ایک ہے بھارت تو یہ بستی بھی میرا دیس ہے

میں کسی سلطان کا جاسوس یا نوکر نہیں

ہوں محبت کا پیامی، دل مرا پتھر نہیں

راستی ہے میرا مسلک، بندۂ یزداں ہوں میں

خیر خواہِ ہر بشر ہوں، صاف سا انساں ہوں میں

بندگانِ رب کو رب کی راہ دکھلاتا ہوں میں

آدمی میں آدمی کی چاہ پھیلاتا ہوں میں

ہے مجھے کھوئے ہوئے ساتھی کی اپنے جُستجو

دن پھر سے ڈھونڈتا پھرتا ہوں اُس کو کُو بکُو

ہنس کے بولی، فکر و غم ساتھی کا فرمائیں نہ آپ

وہ ہمارے پاس ہے محفوظ گھبرائیں نہ آپ

کہہ کے یہ اُس نے اُٹھایا سحر کا اپنے سِتار

راگ چھیڑا، تان کھینچی، پھر کیا جادُو کا وار

جُنبشِ ابرُو سے رانی کی کنیزیں جھُوم کر

رقص کرنے کو اُٹھیں اِک دائرے میں گھوم کر

رات کے گیسو کُھلے اُس سمت، ڈوبا آفتاب
دُخترِ رز جاگی اِدھر جیسے کوئی مستِ شباب
دو کنیزیں ساتھ مردانہ کو لائیں اِس طرح
باندھ کر لائے شکاری بَن سے آہو جس طرح
ساز اور سنگیت کا جادو جگا دینے کے بعد
ناوکِ حُسن و جوانی سب چلا دینے کے بعد
اُس نے دیکھا جانبِ نانک تو وہ تھرّا گئی
پرتوِ قہرِ الٰہی دیکھ کر گھبرا گئی
ساز پھینکا جام توڑے، دوڑ کر دیوانہ وار
گر پڑی نانک کے قدموں پر وہ ہو کر شرمسار

ٹھہرا سجّن کی سرا میں جب بہ ایمائے دلی

اِک عنایت کی نظر نے کر دیا ٹھگ کو ولی

بر مزارِ حضرتِ گنجِ شکرؒ وہ خوش سیر

بھر کے آیا اپنے دامن میں ارادت کے گہُر

خُسروِ اقلیمِ عشق و آگہی بابا فریدؒ

کاشفِ سرِّ حقیقت، پیکرِ خُلقِ حمید

کافیوں میں جس کی تعلیمِ نیاز و ناز تھی

جس کی ہر آوازِ دل اللہ کی آواز تھی

بے تکلف یہ بِہن تھا دوست کے غمخوار سے

سچ ہے بُوئے یار آتی ہے ندیمِ یار سے

چار اطرافِ وطن میں وہ سفر کرتا ہوا
دل کے پیمانوں میں امرت پیار کا بھرتا ہوا
آیا تلونڈی میں واپس ملنے وہ احباب سے
باپ، ماں، اہل وعیال وخواہر بیتاب سے
دیکھی پوشاکِ گدایانہ تو مادر رو پڑی
سامنے بھائی کے جب آئی تو خواہر رو پڑی
جب خوشی پائی تو دردِ غم زیادہ ہو گیا
باپ نے بیٹے کو دیکھا آبدیدہ ہو گیا
سُلکھنی دیوی خوشی کے اشک برساتی ہوئی
آئیں چھوٹے کو پتی کے پاؤں شرماتی ہوئی

باپ کے پائے مُبارک پر جُھکے دونوں پسر
گود میں اپنی پدر نے لے لیا مُنہ چوم کر

جب خبر پائی تو مِلنے کے لئے رائے بلار
آ گیا نہتہ کے گھر ہو کر خوشی سے بے قرار

مولراج دل حزیں بے چین ہو کر یاد سے
آیا تلونڈی میں مِلنے نامور داماد سے

ماں کی حسرت تھی بدل دیں جو گیا پوشاک کو
پیکرِ نازک پہ پہنیں خوشنما پوشاک کو

پیار سے بولیں کہ ماں کا شوق ہے اک بار باندھ
پھینک دے کھدّر کی پگڑی ریشمی دستار باندھ

زرد موٹے سوت کا کُرتا تجھے زیبا نہیں

میرے بچّے میری آنکھوں کو بھلا لگتا نہیں

ریشمی پوشاک زیبِ تن کرو ماں دیکھ لے

سی تھی سی سی کے یہ کُرتے تمہارے واسطے

مُسکرائے آپ، بولے مادرِ مشفق مجھے

جو دیا ہے میرے رب نے پیرہن وہ خوب ہے

نے یہ پوشاک پہنی ہے خدا کے واسطے

میری ساری زندگی ہے کبریا کے واسطے

گھر گرہستی بھی نہیں ہوں بے گرہستی بھی نہیں

میری ہستی بھی ہے لیکن میری ہستی بھی نہیں

رو کے بولی تو جہاں میں ایشور کی شان ہے

جو ترے پیکر میں پنہاں ہے وہی بھگوان ہے

گڑگڑائی، کر مری جانب سے اپنے دل کو صاف

ہاتھ جوڑے کہہ کے یہ، کہ میری تقصیریں معاف

دیکھ کر شفقت سے فرمایا کہ جادو چھوڑ دے

رب سے رشتہ جوڑ لے شیطاں سے ناتا توڑ دے

سر کو قدموں سے اٹھا کر پھر یہ بولی نور شاہ

مجھ کو بتلا دیجئے تسکینِ روحانی کی راہ

بولے، دل میں یاد اپنے رکھو سدا کرتار کی

بس یہی ہے اک دوا سنسار کے آزار کی

شاہ و حاکم کو رعایا سے محبّت چاہیئے

مہربانی، شفقت و رحم و عدالت چاہیئے

ابرِ بارانِ کرم جل تھل برس کے بھر گیا

بے خبر کو واقفِ اسرارِ ہستی کر گیا

اِک گُنہگارِ خدا راہِ ہدایت پا گیا

یہ کرامت تھی کہ رانی میں تغیّر آ گیا

دُورِ شامِ تار کا سارا اندھیرا ہو گیا

آتے ہی شمعِ فروزاں کے اُجالا ہو گیا

موجبِ پاکیزگی تھی وہ ہدایت کی نگاہ

دُھل کے اُجلا ہو گیا دامانِ قلبِ نورِ شاہ

سیاحتِ وطن

آدمی کو درسِ اخلاقِ حسن دیتا ہوا

جزوِ ایماں جذبۂ حُبِّ وطن دیتا ہوا

بستیوں میں ناگ اور میزو قبائل کی گیا

ظلمتوں میں آگہی کا نور پھیلاتا ہوا

تبت و نیفا کی اونچی چوٹیاں وہ برف زار

ہر نظارا شاہکارِ قدرتِ پروردگار

کب بنائی ہے یہ دھرتی بیر کرنے کے لئے
آدمی کو دی ہیں آنکھیں سیر کرنے کے لئے
اپنی دھرتی پیار کی دھرتی ہے دیتی ہے پیام
یا مسلماں اللہ اللہ، یا برہمن رام رام
پٹنہ و کاشی و پوری، وادئ کشمیر ہیں
شہرِ دلی، پرتھوی راجاؤں کی جاگیر ہیں
اُس نے یہ کہہ کر مساوات و اخوّت عام کی
نام دو ہیں، ذات واحد ہے رحیم و رام کی
قریہ قریہ پا پیادہ ہند ساگر تک گیا
ارضِ لنکا سے وہ بدری ناتھ مندر تک گیا

خیبر تھا شہر میں نہاں ہندوستاں کے واسطے

کرتے تھے رب سے دعا امن و اماں کے واسطے

قیدیوں کی صورتِ زار و پریشاں دیکھنے

میر خاں خود آگیا اک روز زنداں دیکھنے

دیکھتا پھرتا تھا وہ زندانیوں کا حالِ زار

کوئی گریاں، کوئی فریادی تھا، کوئی بیقرار

دیکھا اک قیدی خدا کی یاد میں مصروف ہے

سب سے غافل کبریا کی یاد میں مصروف ہے

عالمِ انوار میں وہ مست ہے، مدہوش ہے

اس کی چکّی چل رہی ہے اور وہ خاموش ہے

خود بخود چکّی کا چلنا دیکھ کر حیراں ہوا

عارفِ کامل ہے یہ سوچا تو وہ لرزاں ہوا

ناظمِ زنداں سے پوچھا کون ہے یہ، کیا ہے نام

کہا اس نے، ہے نانک نام ذکرِ رب ہے کام

بے گماں عارف ہے یہ، حق کا ولی لاریب ہے

اس کی چکّی جو چلاتا ہے وہ دستِ غیب ہے

میر خاں کانپا کہیں نازل نہ ہو قہرِ خدا

اُس نے سارا واقعہ بابر سے جا کر خود کہا

سُن کے بابر نے کہا نانک کو بلواؤ یہاں

ہم بھی دیکھیں گے انھیں زنداں سے لے آؤ یہاں

آئے جب نانک تو خود بابر ٹھٹھک کر رہ گیا

دیدۂ دل مہرِ تاباں سے جھپک کر رہ گیا

کیفیت طاری ہوئی ایسی کہ دل تھرّا گیا

گرمیٔ انوار سے رُخ پر پسینہ آ گیا

اُس نے گھبرا کر کہا اے پیکرِ صدق و یقیں

آپ ہیں مہماں ہمارے آج سے قیدی نہیں

قید کی تکلیف و زحمت پر مجھے افسوس ہے

آپ کی بے جا حراست پر مجھے افسوس ہے

پانی پت میں لودھیوں کی فوج پر غالب ہوا میں

آپ سچّے ہیں دُعائے خیر کا طالب ہوں میں

سُن کے نانک نے کہا اے صاحبِ شان و وقار

جنگ میں نصرت کرے گا آپ کی پروردگار

سات پُشتیں آپ کی ناظم رہیں گی ہند میں

بادشاہ و والی و حاکم رہیں گی ہند میں

لوگ چھوٹیں گے جفا و جور و بیداد سے

ہند کی عظمت بڑھے گی آپ کی اولاد سے

حکم دیتا ہے خدا "لا تفسدو فی الارض" کا

پاس رکھنا چاہیئے حاکم کو اپنے فرض کا

قتل و غارت، کُشت و خوں اللہ کو بھاتا نہیں

ورنہ وہ "لا تفسدو فی الارض" فرماتا نہیں

عینِ فطرت ماں کی اُلفت ہے پسر کے واسطے

مادرِ مشفق ہے قدرت بھی بشر کے واسطے

حملۂ بابر

مرضیِٔ خالق سے تلونڈی میں فرما کر قیام
آپ پھر کرنے لگے اپنے سفر کا اہتمام
ٹھہر کر ملتان میں، لاہور میں، پسرور میں
آگئے پھر مرضیٔ خالق سے سیّدپور میں
یک بیک وہ حملۂ افواجِ بابر، الاماں
سندھ سے تا آگرہ اِک شورِ محشر، الاماں

شہرِ سیّد پور میں آفت مچادی فوج نے
آدمی کے خون کی ندّی بہادی فوج نے

لوگ تھے مغضوب تو قہرِ خدا تھا سامنے
جو کہا تھا مردِ حق نے آرہا تھا سامنے

آپ ویرانی پہ ویرانی نگر کی رو گئی
پیش گوئی تھی لبِ صادق کی پوری ہو گئی

ہوتے ہیں برباد یونہی شہرِ نسیان قصور
ٹوٹتا ہے قہر بڑھ جاتا ہے جب فسق و فجور

بس بھری ناگن ہے دنیا اپنے ہر افسوں کے ساتھ
یہ کہاوت ہے کہ گھن بھی پستے ہیں گیہوں کے ساتھ

معتمدِ بابر کا تھا سردارِ لشکر میر خاں

ظلم سے نانک کو بھی پہنا دیں جس نے بیڑیاں

دوسروں کے ساتھ نانک کو بھی چکّی دی گئی

جس قدر ممکن تھی سختی، اتنی سختی کی گئی

قیدیوں پر ظلم ہوتا تھا تو رو دیتا تھا دل

سینۂ نانک میں غم سے کروٹیں لیتا تھا دل

غم رسیدہ، مضطرب، بے چین، بیکل، بیقرار

نالہ و فریادِ ابنائے وطن پر اشک بار

خاک کا دامن بشر کے خون سے گلنار تھا

جذبۂ حبِّ وطن پر قتل و غارت بار تھا

فرض ہے حاکم کا ہو اپنی رعایا کا رفیق

رحم دل، عادل، مدبّر، عاقبت بین و خلیق

بیکس و مظلوم کا انصاف پانا سہل ہو

حاکموں کے پاس فریادی کا آنا سہل ہو

جیسا راجہ ویسی پرجا، یہ کہاوت ہے اگر

شیوۂ حاکم کا ہوتا ہے رعایا پر اثر

طیش میں خوفِ خدا اور عیش میں یادِ خدا

جو بھی بھولے گا ملے گی اس کو دنیا میں سزا

عدل پر ہوتا ہے مبنی سلطنت کا انتظام

ورنہ اک دن ٹوٹ جاتا ہے حکومت کا نظام

دیکھئے انجام اپنے پیشرو سُلطان کا

دل اُلٹ جاتا ہے اہلِ ظلم سے انسان کا

گرم و تازہ خوُں کا دریا دُور تک بہنا نہیں

ظلم ڈھانے والا حاکم دیر تک رہتا نہیں

سُن کے بابر نے کہا اے میر اقلیم یقیں

بیگناہوں پر ستم ڈھانا مِری عادت نہیں

سلطنت میری اگر قائم ہوئی تو با خُدا

بول بالا ہوگا میرے دَور میں انصاف کا

دل فدائے وادیٔ گنگ و جمن ہو چکا

آپ کا ہندوستاں میرا وطن ہو جائیگا

دستگیری کیجئے، مجھ کو نصیحت کیجئے

جب غلط اُٹھے قدم، میری ہدایت کیجئے

محکم و مضبوط میری سلطنت ہو جائے گی

آپ کی رحمت سبیلِ عافیت ہو جائے گی

سُن کے نانک نے کہا حق سے محبّت ہے مجھے

دولتِ دنیا کی لالچ ہے، نہ چاہت ہے مجھے

ظلم سے دامن کشاں رہیئے، عدالت کیجئے

فضلِ رب سے عُمر بھر اپنی حکومت کیجئے

ہوں دُعا گو آپ کی فرماں روائی کے لئے

عرض کرتا ہوں اسیروں کی رہائی کے لئے

مُسکرا کر بولا بابر قید خانہ توڑ دو

میر خاں زنداں کے سارے قیدیوں کو چھوڑ دو

یہ دُعا نانک نے دی اللہ تجھ کو اوج دے

تاج بخشے، تخت دے، گنجینہ بخشے، فوج دے

خیمۂ بابر سے نکلا نُور پیکر اس طرح

ابر کے دامن سے نکلے مہرِ تاباں جس طرح

چوتھا سفر

شہروں شہروں ہند میں دیتا ہوا درسِ نیاز
آگیا سالک خدا کا برسرِ ارضِ حجاز

اِس سفر میں ستگورو کے ساتھ مردانہ بھی تھا
شمع کی لَو نور افشاں تھی تو پروانہ بھی تھا

حاجیوں کی زیبِ تن پوشاک درویشوں کا حال
دل میں دردِ عشقِ رب اور روئے مُبارک پُر جمال

وہ معظّم شہرِ مکّہ، وہ مدینے کا دیار

کوچے کوچے گشت جیسے جُستجوئے حُسنِ یار

مُحسنِ عالم سے اُلفت، گُنبدِ خضرٰی سے عشق

دوستدارِ آدمی، اللہ کے شیدا سے عشق

سنگِ اسود محترم اس ذات کی نسبت سے ہے

بندگی مقبولِ باری قلب کی رغبت سے ہے

صحنِ کعبہ میں عبادت جذبِ ایمانی کے ساتھ

دل بھی ہر سجدے میں جُھک جاتا تھا پیشانی کے ساتھ

نشہ و کیفِ عبادت جب زیادہ ہو گیا

محویّت کے حال میں وہ دو گھڑی کو سو گیا

پیکرِ بیدار فطرت نیند میں غافِل نہ تھا

چشمِ ظاہر بند تھی خوابیدہ لیکن دل نہ تھا

پائے اقدس سوتے سوتے ہو گئے سمتِ حرم

اِس ادائے خواب پر کچھ معترض ہو کر بہم

آئے نانک کے قریں اور طیش میں بولے وہ سب

کِس قدر گستاخ ہے تو بے تمیز و بے ادب

پاؤں تیرے سمتِ کعبہ ہیں ادب سے کام لے

سونے والے جاگ استغفار کر خیرات دے

کھول کر آنکھیں وہ بولا اے شیوخِ محترم

سوتے سوتے پیر میرے ہو گئے سوئے حرم

میں مگر نا آشنائے شوکتِ کعبہ نہیں
کوئی بھی انساں مکلّف نیند میں ہوتا نہیں
مجھ کو اِس طرزِ عمل پر آپ سے شکوا نہیں
رازِ تعمیرِ حرم کو آپ نے سمجھا نہیں

موڑ دو میرے قدم حق کا جدھر جلوا نہ ہو
پیر میرے اس طرف کر دو جدھر کعبہ نہ ہو
پیر تھامے، تاکہ وہ سمتِ حرم سے موڑ دیں
زور دکھلا کر دلیل و حجّتِ حق توڑ دیں

ہے روایت موڑتے تھے پائے اقدس وہ جدھر
اُس طرف عکسِ حرم آتا تھا آنکھوں کو نظر

یہ کرامت دیکھ کر لرزاں ہوئے، حیراں ہوئے

اپنے طرزِ ناروا پر نادم و گریاں ہوئے

صاحبِ کشف و کرامت مان کر تھرّا گئے

حلقۂ اہلِ عقیدت میں وہ کھنچ کر آ گئے

عشق کی نازک کلی شاخِ وفا میں کھِل گئی

رہبرِ کامل ملا تو حق کی منزل مِل گئی

قرأتِ قرآن و حجِ کعبہ و صوم و صلات

اُس نے سمجھا یا عبادت ہے طریقِ یادِ ذات

ہوں طریقِ بندگی سو، ہے مگر مقصود ایک

یعنی دل مانے کہ خالق ایک ہے، معبود ایک

دامنِ دل دولتِ اخلاق سے بھرتے رہو
اپنے پیغمبر کی سنّت پہ عمل کرتے رہو
آنے والا خاک میں تخمِ محبّت بو گیا
حلقۂ احباب سے مِل کر وہ رخصت ہو گیا
حکمِ خالق سے مگر اس کا سفر جاری رہا
پہنچا ارضِ نیل پر نامِ خدا لیتا ہوا
نقشِ پا ملتے ہیں اُس کے شام میں لبنان میں
درسِ حق دیتا ہوا پہنچا وہ ترکستان میں
وہ محبّت کا پیامی، دوستوں کے بھیس میں
مصر سے نکلا تو پہنچا جرمنوں کے دیس میں
نسلِ آدم کو پیامِ امن دے کر دُور دُور
جادۂ حق کا مسافر آ گیا کرتارپور

وصال

ایشور نے کام جو سونپا تھا پورا ہو گیا
صاحبِ بیدار دل فرشِ رضا پر سو گیا

خاک کے پیکر سے نورِ رُوح چھن کر رہ گیا
زیرِ چادر جسمِ نانک پھول بن کر رہ گیا

منتقل انگد میں نورِ شمعِ عرفاں ہو گیا
مہر کی ضَو سے ستاروں میں چراغاں ہو گیا

رشتۂ اخلاص جوڑا اُس نے انسانوں کے ساتھ
وہ یگانہ بن گیا تھا سارے بیگانوں کے ساتھ

تعلیمات

آدمیت جاگ اُٹھی اس کی تعلیمات سے
نور کی رَو پھوٹ نکلی پردۂ ظلمات سے
اُس نے فرمایا خدائے دیر و کعبہ ایک ہے
عالمِ کثرت کو پیدا کرنے والا ایک ہے
اُس نے فرمایا ازل سے تا ابد باقی ہے وہ
بزمِ امکاں رندِ بادہ نوش ہے ساقی ہے وہ

اُس نے فرمایا کہ حق موجود تھا قبلِ ازل

اُس نے فرمایا کہ خالق لَم یلِد ہے لَم یزَل

اُس نے فرمایا کہ حق ہے حی و قیّوم و عظیم

اُس نے فرمایا کہ بحر و بر کا خالق ہے رحیم

اُس نے فرمایا کہ حق قادر بھی ہے عادل بھی ہے

وہ بصیر و ناطق و عالم بھی ہے، عاقل بھی ہے

اُس نے فرمایا کہ وہ مختار ہے، غفّار ہے

خالقِ ابر و ہوا و خاک و برگ و بار ہے

اُس نے فرمایا کہ خالق ایک ہے اور لاشریک

کوئی بھی اُس کی مشیّت میں نہیں ہوتا شریک

اُس نے فرمایا رضائے حق پہ خود کو چھوڑ دو
دامِ باطل اور زنجیرِ ہوس کو توڑ دو
رُوحِ انساں بے رضائے خالقِ مرگ و حیات
قیدِ زنجیرِ الم سے پا نہیں سکتی نجات
آبِ دریائے مقدّس قلب دھو سکتا نہیں
بے محبّت عمر بھر دل پاک ہو سکتا نہیں
کون جانے اُس نے کیوں سنسار کو پیدا کیا
حُسنِ دنیا پر بشر کو کس لئے شیدا کیا
عزّت و ذلّت کا دینا ہے اُسی کے ہاتھ میں
سب حسابِ عمر لینا ہے اسی کے ہاتھ میں

حُکم سے اُس کے بشر کو عشق کی دولت مِلی

ساری مخلوقات پر انسان کو عزّت مِلی

امرِ رب کو جو سمجھ لے وہ گھمنڈ کرتا نہیں

آدمی اپنی اَنا کے زعم میں مرتا نہیں

کوئی اُس کی بخششوں کا کر نہیں سکتا شمار

کوئی اُس کی قدرتوں کا کر نہیں سکتا حصار

کون کر سکتا ہے اُس معبُود کی حمد و ثنا

رحمِ مادر میں جو پہنچاتا ہے بچّے کو غذا

حاضر و ناظر بھی ہے وہ مخفی و مستور بھی

شاہدِ پردہ نشیں نزدیک بھی ہر دُور بھی

اُس کا ہر قانون محکم ہے، بدل سکتا نہیں
آدمی اُس کی حکومت سے نکل سکتا نہیں

ہے محبت عدل میں شامل کہ وہ رحمان ہے
رُوبرُو پر بھو کے لیکن کرم ہی سے مان ہے
بخشش، خالق کو کرے کیا ایسی کوئی نذر ہے
ذکرِ رب دل سے کرے انسان تو اُسکی قدر ہے

خلق کا خالق ہے وہ، اُس کا کوئی خالق نہیں
صرف وہ رازق ہے کوئی دوسرا رازق نہیں
کوئی بھی اوصافِ رب گن کر بتا سکتا نہیں
حق کی صورت کوئی بھی بُت گر بنا سکتا نہیں

صوتِ حق ہے اور لبِ مرشد حجابِ ساز ہے

سُن کہ مُرشد کی صدا میں رام کی آواز ہے

ویدہیں مُرشد کی باتیں علم و حکمت سیکھ لے

جادۂ حق دیکھ لے، سرِّ حقیقت سیکھ لے

صُورتِ مُرشد سے ظاہر برہما کا رُوپ ہے

ہر تاباں ایشور ہے اور مُرشد دُھوپ ہے

نام میں اُس کے بڑی عظمت ہے اُس کا نام لے

جادۂ حق کے مُسافر اُس کی رسّی تھام لے

ایشور ہے، رام ہے، گوپال ہے، کرتار ہے

خالقِ کونین ہے وہ مالک و مختار ہے

رب کی خوشنودی سے بڑھ کر کوئی بھی تیرتھ نہیں

حق رہے راضی تو ہے یہ حجِ اکبر بالیقیں

تیرے مرشد کی اگر تجھ پر نظر ہو جائے گی

بیش قیمت خاک بھی تیری مثلِ زر ہو جائے گی

نیک ہوں اعمال تو انسان پائے گا نجات

ورنہ لاحاصل ہے سارا خاکدانِ کائنات

بھول مت جانا کہ یہ ہی ایک ہی حکمت کی بات

یاد رکھنا ساری دنیا کی ہے خالق ایک ذات

عشق کی دھن میں اگر لیتا ہے کوئی اس کا نام

دونوں عالم میں وہ رہتا ہے ہمیشہ شادکام

دُور اُس کے نام کی عظمت سے ہوتے ہیں گُناہ
زحمت و غم مانگتے ہیں اُس کی رحمت سے پناہ
بے گُماں اُس پر کُھلیں گے جو کرے گا ذکرِ رب
زہد کے، دُنیا کے، تن کے، رازِ مخفی سب کے سب

دُعا

واسطہ نانک کا یارب ہند کو توقیر دے

قوّتِ جہد و عمل دے، جذبۂ تعمیر دے

اے خدا شیرازۂ نظمِ چمن کو باندھ دے

رشتۂ اخلاص سے سارے وطن کو باندھ دے

ایک لے ہو ایک نغمہ، ایک سرگم، ایک ساز

ایک منزل ہو وطن کی اے خدائے بے نیاز

ایک ہی آواز نکلے بربطِ صدتار سے

کٹ مریں دشمن وطن کے ایکتا کی دھار سے

فرقہ فرقہ میں رواداری بھی ہو، ایثار بھی

ہو قلم بھی ہاتھ میں اور تیغِ جوہر دار بھی

نانکِ دوئم

شری انگد دیو

سراپا عشق ہے، عینِ وفا ہے
کہ انگد دیو، نانک دوسرا ہے
کرم کرتار کا اُس پر ہوا ہے
محبّت میں جو تیری مُبتلا ہے
شرن میں جو بھی تیری آگیا ہے
اُسے کلیان کا ساحل مِلا ہے

نہ ڈوبی ہے، نہ ڈوبے گی وہ کشتی

کہ جس کشتی کا انگد ناخدا ہے

جسے بخشی گئی ہے چشمِ بینا

تِری صورت میں رب کو دیکھتا ہے

گورو نانک سے نانک تک ہے نانک

یہاں جو ابتدا ہے انتہا ہے

بہ سمتِ فطرتِ انسانِ کامل

ترا ہر نقشِ پا اِک رہنما ہے

مساوات و اخوّت، صدق و وحدت

یہی بھگتی کا سیدھا راستہ ہے

یہی ایجاد کی ہے گورمکھی کی

قیامت تک جو زندہ معجزا ہے

ستی کی رسم کو تُو نے مِٹا کر

بڑا احسان عورت پر کیا ہے

سخی داتا ہے تُو، مفلس ہے نظمی

ترے دستِ عطا کو دیکھتا ہے

نانک سوئم

شری امرداس

خدا شناس امرداس رہبرِ کامل

ہے جس کے سینے میں نانک کا عارفانہ دل

وہ تاجدارِ عبادت، وہ کاشف و عامل

وہ پیشوائے صداقت، وہ خسروِ عادل

وہ انتشار میں سرچشمۂ سکونِ دل

وہ صد حوادثِ طوفانِ دہر میں ساحل

بہارِ بن کے جو آیا تھا دیں کے گلشن میں
تھی جس کی ذات سے دنیا میں رونقِ محفل
وفا و عشق کی محفل میں نکہت و خوشبو
جفا و جور کی گردن پہ خنجرِ قاتل
تری نظر نے ابھارا ہے صدق کا سورج
تری نگہ نے ڈبوئی ہے کشتیٔ باطل
ملی تھی تجھ کو تجلّی وہ نورِ نانک کی
کہ جیسے چاند کا سورج سے جگمگائے دل
ہر ایک ذرّے میں پنہاں ہے نورِ اوشکتی
کہ پھول پھول نگارِ ازل کی ہے محمل

ہے تیرے فیض کا اِک جام باوا جی صاحب
کہ جس سے پیاس میں ہوتے ہیں سیر اہلِ دل

بسایا بھوتوں کی دھرتی پہ تو نے گوئندوال
کہ ٹھہر سکتا نہیں حق کے رُوبرُو باطل

کرم سے یُوں دلِ نظمی کو کر دے مستغنی
کہ پھر نہ ہو کبھی دُنیا کے حُسن پر مائل

نانکِ چہارم

شری رام داس

تو جو کرتار سے لگاتا ہے

اُلفت رام داس پاتا ہے

جو ترے آستاں پہ آتا ہے

خوف و غم سے نجات پاتا ہے

جب ترا نام یاد آتا ہے

دل سکون و قرار پاتا ہے

تیرے پیکر میں نورِ نانک کا

مثلِ خورشید جگمگاتا ہے

مغلِ اعظم بہ خسروانہ شان

تیرے قدموں پہ سر جھکاتا ہے

ہر کا مندر ہے مسجدِ توحید

بُتکدہ کعبہ بنتا جاتا ہے

عظمت و شوکتِ فقیرانہ

ہر بشر سر جھکا کے آتا ہے

تو شرف آدمی کا، خلقت میں

اپنے کردار سے بتاتا ہے

تیری تعمیر ہے ہری مندر

تو ہری کے جگت کا داتا ہے

تو سکھاتا ہے وحدتِ انساں

سارے عالم سے تیرا ناتا ہے

نظمیؔ دلِ حزیں عقیدت کے

تیری چوکھٹ پہ گُل چڑھاتا ہے

نانکِ پنجم

شری ارجن دیو

پیامِ امن وَاماں ہے، پیام ارجن کا
رہے گا زندۂ جاوید نام ارجن کا

رہے گی گردشِ پیمانۂ شرابِ الست
نہ رُک سکے گا کبھی دَورِ جام ارجن کا

لہو سے روئے مبارک کی سُرخروئی دیکھ
دمک اُٹھا رُخِ ماہِ تمام ارجن کا

بنامِ حق جو اجل کو قبول کرتے ہیں
انہی شہیدوں میں شامل ہے نام ارجن کا
صدا خلوص کی تحلیل ہو نہیں سکتی
فضا میں گونج رہا ہے کلام ارجن کا
غروب ہوتا نہیں آفتابِ صدق و صفا
نہ چھپ سکے گا نگاہوں سے نام ارجن کا
تمام عمر کٹی آدمی کی خدمت میں
کہ پیشوائی انساں تھا کام ارجن کا
وہ کون دل ہے نہیں جس میں یاد ارجن کی
وہ کون لب ہے نہیں جس پہ نام ارجن کا
جہاں خرد بھی لباسِ جنوں پہنتی ہے
وہی مقام ہے نظمی مقام ارجن کا

نانک ششم

شری ہرگوبند

خسروِ عارفاں ہے ہرگوبند
پیشوائے جہاں ہے ہرگوبند

آفتابِ سپہرِ عرفاں ہے
نیرِ آسماں ہے ہرگوبند

نورِ نانک کی ہے درخشانی
جلوہ ساماں جہاں ہے ہرگوبند

غمزدوں کا معین اور یاور
مونسِ بیکساں ہے ہرگوبند
راہِ تسلیم و جادۂ حق پر
رہبرِ انس و جاں ہے ہرگوبند
جس نے پیری کی تیغ بھی باندھی
وہ امیرِ جہاں ہے ہرگوبند
خوف سے اہلِ ظلم لرزاں ہیں
ایک شیرِ ژیاں ہے ہرگوبند
ہے نرنکار کا جہاں سایہ
آپ کا آستاں ہے ہرگوبند

کی ہے تختِ اکال کی تعمیر
یعنی شاہِ جہاں ہے ہرگوبند
بے نیازِ غمِ زمانہ ہے
جس پہ بھی مہرباں ہے ہرگوبند
مانگ جو مانگنا ہے اے نظمی
بادشاہِ جہاں ہے ہرگوبند

نانک ہفتم

شری ہر رائے

چراغِ روشنِ عشق و وفا ہے ہر رائے
کہ اپنے رُوپ میں نانک بنا ہے ہر رائے

سِتم سے جَور سے بے ڈر لڑا ہے ہر رائے
ڈرا تو صرف خدا سے ڈرا ہے ہر رائے

ہے تیری یاد سے نانک کی یاد وابستہ
کہ عکسِ حُسن کا اِک آئنہ ہے ہر رائے

گمان و وہم کی کُھلتی ہیں گُتھیاں جس سے
وہ ایک ناخنِ عقدہ کُشا ہے ہر رائے

چمن میں دھرم کے رنگِ بہار ہے جس سے
کہ پھُول پھُول میں جلوہ نُما ہے ہر رائے

جفا و جور کی کٹتی ہیں گردنیں جس سے
نیامِ عدل میں تیغِ وفا ہے ہر رائے

بشر کی، جانبِ اللہ، رہبری کے لئے
چراغِ منزلِ راہِ خدا ہے ہر رائے

بحال جس سے ہوئیں مسندوں کی تنظیمیں
وہ دستِ قوّتِ اہلِ وفا ہے ہر رائے

جو اُس کے ساتھ ہے گُمراہ ہو نہیں سکتا

وہ حق شناس، وفا آشنا ہے ہر رائے

فریب کر دیا جس نے خدا سے بندے کو

وہ میرِ کارواں، وہ رہنما ہے ہر رائے

جُھکا ہے اِس لئے نظمی کا سر عقیدت سے

کہ زیرِ دستوں کے سر کی رِدا ہے ہر رائے

نانکِ ہشتم

شری ہر کرشن

نانکِ ہشتم چراغِ معرفت	ہر کشن شاداب باغِ معرفت
تُو ضیائے شمعِ عرفانِ حیات	تُو تجلّیٰ چراغِ معرفت
ہوتا ہے جلووں سے تیرے بالیقیں	اور بھی روشن دماغِ معرفت
ہو گیا سیراب ہر اِک تشنہ کام	جب دیا تُو نے ایاغِ معرفت
رہبری سے آپ کی ملتا گیا	اہلِ بینش کو سراغِ معرفت
بنگلہ صاحب ہے گنوں سے آپ کی	آج تک ہے ایک باغِ معرفت

ہیضہ میں پانیٔ شفا جس نے پیا چرن امرت کا ایاغِ معرفت

ضَو فگن تھا کمسنی کے باوجود آپ کے دل میں چراغِ معرفت

ساقیٔ خُم خانۂ عرفانِ حق آپ نے بخشے ایاغِ معرفت

تو سوادِ یاس میں شمعِ اُمید تو رہِ حق میں چراغِ معرفت

نظمیؔ بادہ کشِ توحید کو

دیجیے بھر کر ایاغِ معرفت

نانکِ نہم

شری تیغ بہادر

اے خسروِ اقلیمِ وفا تیغ بہادر

اے پیکرِ اخلاص و رضا تیغ بہادر

اے کشتۂ شمشیرِ جفا تیغ بہادر

اے راہبرِ راہِ خدا تیغ بہادر

تُو نے کیا ایثار سے انساں کو شناسا

تُو نے کیا اخلاق کی دُنیا میں اُجالا

سر تیرا کبھی جھک نہ سکا ظلم و جفا سے
آوازِ تری دب نہ سکی اہلِ دغا سے
ہر شاخِ ستم ٹوٹ گئی تیری دعا سے
تو ہاتھ پہ سر لے کے چلا حسنِ ادا سے

ثابت ہوا تو حق کا پیامی تھا جہاں میں
آوازِ محبت تھی ترے سوزِ بیاں میں
تو نجمِ وفا، حق و صداقت کا ستارا
دیکھا نہ گیا تجھ سے تباہی کا نظارا

ڈوبے ہوئے انساں کو ملا تجھ سے کنارا
بگڑی ہوئی تہذیب کے گیسو کو سنوارا
ہر دور ترے درد کا افسانہ کہے گا
انساں پہ ہمیشہ ترا احسان رہے گا

تُو جس کو ملا اُس نے نرنکار کو پایا
اعلیٰ ہے ترا مرتبہ، اُونچا ترا پایا
سر جس نے عقیدت سے ترے در پہ جُھکایا
تو نار صیبوں کا سرمایہ میسّر اُسے آیا
تُو رہبرِ اخلاق ہے، ایثار کا حامی
نظمیؔ بھی ہے لاکھوں میں ترا ایک سلامی

نانکِ دہم

شری گوبند سنگھ

ہادیٔ ہندوستاں گوبند سنگھ علم و دانش کا نشاں گوبند سنگھ
زندگی کا رازداں گوبند سنگھ حامیٔ امن و اماں گوبند سنگھ
کامیاب و کامراں گوبند سنگھ
حرّیت کا پاسباں گوبند سنگھ
میرِ افواجِ گراں گوبند سنگھ حق پرستی کا نشاں گوبند سنگھ
خالصہ کا پاسباں گوبند سنگھ تاجدارِ عارفاں گوبند سنگھ
حاملِ عزمِ جواں گوبند سنگھ
طاقتِ شیرِ ژیاں گوبند سنگھ

وہ مسافر ایشور کی راہ کا   وہ پیامی آدمی کی چاہ کا
وہ پریمی رام اور اللہ کا   دل غنی، رُخ پر تجمّل شاہ کا

افتخارِ خسرواں گوبند سنگھ
شکوہ و عظمت نشاں گوبند سنگھ

امتحاں پر امتحاں ہوتا رہا   راہِ حق میں لختِ دل کھوتا رہا
خاک میں تخمِ وفا بوتا رہا   سُرخرو منہ خون سے دھوتا رہا

صبر کا سنگِ گراں گوبند سنگھ
منزلِ حق کا نشاں گوبند سنگھ

شری گورو گرنتھ صاحب

پیامِ عشق و آگہی　　دماغ و دل کی روشنی
نویدِ امن و آشتی　　فروغِ حُسنِ زندگی

شری گورو گرنتھ جی
شری گورو گرنتھ جی

عروجِ فکرِ آدمی　　مقامِ عشقِ سرمدی
رفیقِ اضطرابِ دل　　پئے قرارِ واقعی

شری گورو گرنتھ جی
شری گورو گرنتھ جی

کبیر کی وہ بانیاں فرید کی وہ کافیاں

سطر سطر حقیقتیں ورق ورق تجلّیاں

شری گورو گرنتھ جی

شری گورو گرنتھ جی

کلیدِ عشق و وفا چراغِ نورِ کبریا

اکال تخت خسروی حیاتِ قلبِ اصفیا

شری گورو گرنتھ جی

شری گورو گرنتھ جی

وہ سازِ صوتِ آسماں مٹا دے فرقِ این و آں

یہی ہے قبلۂ بقا کہ ہے کلامِ جاوداں

شری گورو گرنتھ جی

شری گورو گرنتھ جی

پیو بھی نظمی حزیں کہ تشنگی حرام ہے

شبد ہے جامِ معرفت شبد کا فیض عام ہے

شری گورو گرنتھ جی

شری گورو گرنتھ جی
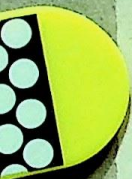
पुस्तक - वितरण की तिथि नीचे अंकित है इस तिथि सहित 30वें दिन तक यह पुस्तक पुस्तकालय में वापिस आ जानी चाहिए । अन्यथा 10 पैसे प्रतिदिन के हिसाब से विलम्ब - दण्ड लगेगा ।